

لالہ لکھنؤ سے تیرے حوالے

”ہاں رے سبحان! میں نے بھی اخبار میں پڑھا تو تھا۔“ دادی کو بھی اچانک یاد آیا۔
 ”آپ اخبار کب سے پڑھنے لگی ہیں؟ اور جو میں
 کہوں دادی! سر میں بڑی غارش ہو رہی ہے۔ ذرا
 دیکھیں، جو میں تو نہیں پڑھیں۔ فوراً“ فرمایا جاتا ہے
 اے بچے! اب اتنی نظر کہاں رہی ہے۔ اور اخبار پڑھتے
 کچھ نہیں ہوتا حالانکہ اس کے الفاظ جوڑوں سے بھی
 زیادہ ہار یک ہوتے ہیں۔“ سبحان سے چھوٹے حیان
 نے زبردست گلہ کیا تھا۔
 ”بس شروع ہو جایا کرو تم لوگ یہ کوئی جگہ ہے

اندر چلے خواتین! رسم مندی سڑک پر نہیں،
 بلکہ گھر پر ادا کرنے کا پروگرام طے پایا ہے۔“
 ”بکو مت۔ پتا ہے ہمیں بھی نہیں تو یہ سجاوٹ دیکھ
 کر رک گئی تھی۔ کتنا پیسہ آگیا ہے ہدایت اللہ کے
 پاس۔ گھر تو گھر اس پاس کی جگہ پر بھی سجاوٹ کر رکھی
 ہے۔“ دادی ایک ہاتھ سے عینک سنبھالے گردن گھما
 گھما کر جائزہ لے رہی تھیں۔
 ”میں نے تو سنا تھا خالہ! اب ان بڑی تمقموں سے
 سجاوٹ پر پابندی لگ گئی ہے۔“ ان کی ہوا کا حال بھی
 کچھ مختلف نہ تھا۔

مکمل ناول



دادی آزرہ سی بیٹھی سوچا کرتی تھیں۔ ”آخر یہ دونوں کس پر چلے گئے ہیں۔ باب دادا کی لٹیا ہودی۔ بس آج گھر کچھ ہی خبر لینی ہے۔“ مگر اکثر تقریبات سے واپسی پر وہ اس قدر تھک چکی ہوتی تھیں کہ خبر گیری ان کی گزرتی نہ جاتی تھی۔

”لڑکے والے خالص میے والے ہیں۔ بڑے مٹھے سے آرہے ہیں۔ پہلے ہی کہہ دیا ہے کھانے میں یہ یہ کچھ ضرور ہو اور نقشیں بستر کی قسم کی ہوںی چاہئیں۔“ چچا ہدایت اللہ کی بیٹی بتا رہی تھی کہ اس وقت یہ دونوں بڑی اہم ہستیاں تھیں۔

”اچھا۔ اسی لیے یہ سب کیا گیا ہے۔ میں بھی کہوں چچا ہدایت اللہ کا نہ انتقال ہے اور نہ ذہن۔ وہ اچھے لوگ ملے ہیں پھر تو۔“

حیان نے مزہ لے کر لڑکیوں کو بد مزہ کیا مگر اس موقع پر شادی والے گھروں میں ان کی زیادتیاں خاموشی سے سہلی جاتی تھیں۔

”ہم کپڑے تو اچھے پن آتے۔“ چھوٹی شفو چپ نہ رہ سکی۔

”میرے تبا کپڑے کا کوئی کارخانہ چھوڑ کر فوت نہیں ہوئے تھے۔“

”چلو یہ بھی ٹھیک ہے۔ اچھے لگ رہے ہیں۔“ بیٹی نے بسن کو شو کاوے کربات کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

اتنے میں گیٹ کی جانب سے شور اٹھا۔

”لگتا ہے مندی آئی۔“ دونوں انہیں ساتھ آنے کا اشارہ کر کے گیٹ کی طرف لپکیں اور یہاں وہاں باتوں میں مصروف اکثر لڑکیاں اور خواتین بھی بائیں چھوڑ کر گیٹ کی جانب بڑھنے لگیں۔ ان دونوں کی رفتار سب سے تیز تھی حالانکہ سبحان بالکل نہیں جانتا تھا کہ حیان کیوں ہوا کے گھوڑے پر سوار ہے مگر ساتھ دینا ضروری تھا۔

دونوں گیٹ کراس کر کے اب وہاں پہنچ چکے تھے جہاں لڑکے والے کھڑے تھے لڑکیاں اپنے میک اپ

اور مندی کی موم بتیاں سیٹ کر رہی تھیں۔ اگر اتفری کا عالم تھا۔ لڑکیاں میک اپ میں دوبارہ مصروف، لڑکے موسی کمرے سنبھالے ساتھ آئے چند معتبر بزرگوں کی ہدایات سنتے اثبات میں سر ہلائے اور دل میں اختلاف کرتے ہوئے۔ بزرگ خواہیں لڑکے والوں کی طرف سے ہونے کی وجہ سے گریہ اکر آئے اور قدرے شوخ کھر کے جوڑے پہنے۔ جی جی ہم پھپھیاں، پچپیاں خلا میں ہوتی ہیں۔ ایسے موقع پر بچا سنو رنا، مغرور، بد مزاج دکھائی دینا ہمارا پیدا انکی حق ہے۔

حیان نے جاتے ہی تمام گاڑیوں کا جائزہ لینا شروع کیا اور کو سٹر میں اسے اپنی مطلوب چیز بھی مل گئی۔ یہ تھے مٹھائی کے دو عدد بھاری بھر کم قسم کے بچے سب سے نوکرے، جنہیں ایک ہنر نما آئی اپنی مگرانی میں اترا رہی تھیں۔

”آئی! آپ کو اوھر جو انگل کھڑے ہیں، بلا رہے ہیں۔ کہتے ہیں یادگار موسی بن رہی ہے، آپ کدھر ہیں۔“

”اچھا ضرور ٹھو کے ابا ہوں گے۔ کتنا خیالی ہے میرا۔“ مسرور و مغرور ہوتی غرارے کا پانچواں چنل میں دیا کر ایک شان سے روانہ ہوئیں۔ وہ لگیں تو یہاں موجود دونوں لڑکے بھی رونقیں دیکھنے اوھر چلے گئے۔

جدھر باراتی لڑکیاں میک اپ درست کر رہی تھیں۔ سبحان نے حیان کو اشارہ کیا اور ذرا سی دیر میں وہ دونوں مٹھائی کا پڑا نوکرا اتار کر ساتھ کی گلی میں داخل ہو چکے تھے۔ اصل میں کو سٹر سب سے آخر میں تھی اور یہاں گلی میں اندھیرا تھا۔ انہیں ذرا بھی مشکل نہیں ہوئی۔

نوکر ہدایت اللہ صاحب کے ”پچھواڑے“ رہنے والے اپنے ایک دوست کے دروازے پر رکھا اور قیل بجاہی۔ ذرا دیر بعد ماجد کا بنو تراچو نمودار ہوا۔

”ابا، مٹھائی وہ بھی اتنی ساری۔ تم دونوں میں سے کس کا رشتہ ملے ہوا ہے۔“ موصوف نے محبت بھری نگاہ کی زد میں صرف نوکری کو رکھتے ہوئے دونوں سے

وال کیا۔

”کسی کا نہیں اور یہ نوکرا تو ایک امانت ہے میرے ابا! تم ذرا اٹھائی تین گھنٹے تک اس کا خیال رکھنا پھر ہم اگر سب بتائیں گے۔“

”تھوڑی سی کھالوں؟“ ماجد کی رال چکی۔

”نہیں بالکل نہیں۔ کہہ تو رہے ہیں ابھی آتے ہیں پھر تمہیں تمہارا حصہ بھی دے دیں گے۔“

”چلو پھر ٹھیک ہے۔“ ماجد نے لپک کر نوکرا اٹھا لیا۔ دونوں واپس ہوئے۔

کو سٹر کے قریب باراتیوں کا رش بتا رہا تھا اور دات کا انکشاف ہو چکا ہے۔ دونوں شان بے نیازی سے چلتے ہاموں ہدایت اللہ کے ہاں آگئے، جہاں بارات کے استقبال کے لیے لڑکیاں پھولوں کی پتیاں لیے قطار در قطار کھڑی تھیں۔

”کہاں رہ گئی ہیں باراتی خواتین، اب اندر کیوں نہیں آ رہیں۔“ یہ یاہر سے آرہے تھے اس لیے سوال کیے گئے۔

”آجاتی ہیں کیا یہ پھول بہت وزنی ہیں جو پانچ منٹ اٹھا کر تم لوگ ٹھکنے لگی ہو۔“ اتنا کہتے ہوئے یہ لوگ آگے بڑھ گئے۔

کچھ دیر کے بعد باراتی خواتین اندر آنے لگیں۔ وہ لہا کی اماں جن کے کروفر کی داستانیں یہاں وہاں سنی گئی تھیں، خواہ اس باختہ سی تھیں۔ غرارے کا وہ پانچواں دوپٹہ دیر پہلے نزاکت سے چٹکی میں تھام رکھا تھا اب فرش پر رل رہا تھا۔ مندی کے بہت سے بچے سجائے لٹال مگر مٹھائی کی بس چٹی منی دو نوکریاں۔ وہ بیگم ہدایت اللہ اور لڑکی کی چچیوں پھپھیوں سے بار بار کہہ رہی تھیں۔

”اتنا بڑا نوکرا ہونا تھا، کو سٹر میں رکھا بھی تھا۔ اللہ ہالے کہاں غائب ہوا۔“ اور لڑکے والیوں کے چہرے مسکراہٹ تھی، اس وقت وہ بڑا واضح اعلان کرتی تھیں۔

”آپ جھوٹ بول رہی ہیں، آپ بکواس کر رہی ہیں یہی اوقات تھی آپ کی۔ شو باز، کینے“

کھیلے۔

لڑکے والیوں کے سر جھکے ہوئے تھے اور اوھر ہوئے ہوئے مگر اتنی آواز میں تبصرے جاری تھے جو لڑکے والے سن سکیں۔

ہدایت اللہ صاحب کے ہاں کھانا اٹھا رہے کا تھا، گانوں کا مقابلہ بھی خوب رہا۔ سبحان نے ساس اماں کو نظر میں رکھ کر ”غرارہ غرارہ“ میں ہوں اک غرارہ“ گایا اور لڑکی والوں سے واو اور لڑکے والوں سے مختلف القاب وصول کیے۔

ہنگامے میں سامہ اپنے کپڑوں کا غم بھی بھول گئی۔ اہی اور دادی کو بھی ماضی میں بھاٹکنا یاد نہیں رہا مگر اپنے لڑکوں کی جنتیں اور گانے گانا انہیں کچھ خاص پسند نہیں آیا۔

رات کے بڑھ بچے لڑکے والے واپس ہوئے، اس کے بعد اوھر کے مہمان اجازت لینے گئے۔

ان سب نے خود دیکھا۔ حیثیت والے مہمانوں کے ساتھ ہدایت اللہ اور بیگم ہدایت اللہ نے کھانا اور مٹھائی بھی کی، جبکہ جو ذرا کم درجے کے تھے۔ ان کے ساتھ صرف کھانا، وہ بھی صرف بریانی پر مشتمل چار ہاتھا اور جب ان کی باری آئی تو وہ بھی نہیں تھا۔

”واہ رے زانے!“ دادی گیٹ کراس کرتے ہوئے آبدیدہ ہو گئیں۔

”اتنے سارے رشتہ داروں کے پاس گاڑیاں ہیں۔ کسی نے یہ نہیں کہا، آؤ تمہیں بھی چھوڑ آئیں۔“ اہی بھی رنجیدہ تھیں۔ سامہ ایک بار پھر اس گھڑی کو کوس رہی تھی، جب وہ یہاں آئی تھی۔

”اتنا اچھا کھانا تو کھایا ہے۔“ سبحان نے یاد دلایا۔

”ہو نہ کھانا اتنے امیر لوگ ہیں مگر کھانے پر ٹوٹے پڑ رہے تھے اور مٹھائی وہ تو میں نے چھچی تک نہیں۔“

”تجنی سب کے آگے پلیٹ کر رہی تھی۔ میں تھوڑا پیچھے بیٹھی تھی مگر اس نے مجھے دیکھا تو ہو گا پھر بھی مجھے دینا ضروری نہیں سمجھا اور میرا گلاب جاسن اور پستے والی برنی کھانے کو اتنا دل چاہ رہا تھا۔“

”تم خود آواز دے لیں یعنی کو۔“ اہی سے بیٹی کی

حسرت دیکھی نہیں گئی۔

”ایسے ہی دے لیتی۔“

”اور کیا اتنی لمبی تو ناک ہے ہماری سلامہ کی۔“
دونوں بھائی خاصے مسرور دکھائی دیتے تھے۔

”یہ ہم باتوں میں کدھر نکل آئے۔ مین روڈ تک جانے کا یہ تو راستہ نہیں ہے۔“

”اوھر میرا ایک دوست رہتا ہے ڈر اس سے سلام دعا کر آؤں۔“ سبحان کے کہنے پر تینوں خواتین ہر دوڑنے لگیں کہ محکم شدید تھی اور وہ فوراً گھر جانا چاہتی تھیں۔

”آپ لوگ اوھر ہی ٹھہریں ہم دونوں سلام محبت پیش کر کے آتے ہیں۔“ دونوں تیز قدموں سے آگے بڑھ گئے۔ ماجد مٹھائی کے نوکرے کے قریب ہی لیٹانان کی آمد کا منتظر تھا۔

”بڑی دیر کر دی۔“ انہیں دیکھتے ہی اٹھ بیٹھا۔

”ہاں۔ تو بیاہ شادی کے سنگاموں میں اتنا تاخیر تو ہو ہی جاتا ہے۔ بڑی خاموشی ہے گھر والے سو گئے؟“ حیان نے ساتھ ہی سوال بھی کیا۔

”گھر والے گھر پر ہیں ہی کس۔ شام چار بجے پیچھے دھڑکی سے آپا کا فون آیا۔ بڑی پچی کی منگنی کر رہی ہوں فوراً“ پینچیں۔ بس جیسے تیسے تیاری کر کے سب بھاگ پڑے۔ بھیا کے دونوں سوٹ استری کرنے کو رکھے تھے۔ میس رہ گئے ہیں وہاں سب ہی بھیا سے خاصے چھوٹے قد کے ہیں۔ میں سوچ رہا تھا بھیا اب کیا کریں گے۔ اگر کسی اور کا مانگ کر پینس گے تو گھٹنوں سے کچھ ہی نیچے ہو گا۔“

”خواتین اتنا تاخیر اس سوچ میں برپا کیا۔ بھیا کو فون کر دیا کسی کا بھی استری شدہ جوڑا پہن کر گھر کے سب سے آرام دہ صوفے میں دھنک کر بیٹھ جا میں اور مہمانوں کے آنے پر استقبال کے لیے اٹھیں نہیں بیٹھے بیٹھے مصافحہ کر لیں اور کہہ دیں باؤں میں موج آئی ہے۔ مہمانوں کے جاتے ہی طویل انتظار لیں اور پھر آکر آرام کی نیند سوئیں۔ اللہ اللہ خیر صلا۔“ حیان کے اس مشورے پر ماجد نے بیتا کشد بھری

نظروں سے اسے دیکھا اور بولا۔ ”میں ابھی فون کرتا ہوں۔“

سبحان نے ٹوکرا اٹھا لیا۔ حیان نے ذرا سا کھول کر کچھ مٹھائی نکال کر ماجد کو تھما دی اور بولا۔

”یہ تمہارا انعام ہے۔ تفصیلات سے آکر آگاہ کریں گے۔ السلام علیکم۔“

”اتنی مٹھائی۔ یہ کہاں سے آئی ہے؟“ تینوں کی آواز مارے خوشی کے چٹکتی ہوئی سی تھی۔

”ہمارے دوست کے بھائی کا رشتہ طے ہوا ہے۔ جو بھی رشتہ دار آرہا ہے، مٹھائی لا رہا ہے، اس نے کچھ ہمیں دے دی ہے۔“

”کتنا اچھا دوست ہے۔ رشتہ داروں سے تو برائے اچھے۔ وہاں ان سب کو کھانا اور مٹھائی بھی ساتھ دی گئی جو کھاتے پیتے ہیں۔ ہمیں کسی نے چاول تک نہ تھمائے۔“

”فوج کریں وادی! ہمیں اتنی مٹھائی مل تو گئی ہے۔ اللہ کرے کسی اچھی دکان کی ہو۔ کھانے میں مزہ بھی آئے۔“ سلامہ کی جھنجھکی اب ہوا ہو گئی تھی۔

صبح وادی نے چھوٹی بلیکٹوں میں مٹھائی ڈال کر اس پاس کے گھروں میں بھجوائی۔ لے کر جانے والے یہی دونوں تھے۔ جہاں سبحان سے سوال ہوا۔ ”کلمہ کی مٹھائی ہے۔“ جواب دیا۔ ”حیان امریکہ جا رہا ہے اسی خوشی میں امی نے بھجوائی ہے۔“

جہاں حیان گیا وہاں اس نے کہا۔ ”سبحان جرمنی جا رہا ہے۔ بس اسی خوشی میں آپ کرم فرماؤں کا منہ میٹھا کروانے چلا آیا ہوں۔“

سن کر خوش ہونے والے کم تھے اور ان کی تعداد زیادہ تھی جن کے سینوں پر سائب لوٹ گئے۔

”کس طرح لگ گیا ویرا؟“ سب سے زیادہ جمل بھن جانے والوں میں سابق ایس ڈی او جناب چمٹھ صاحب نمایاں تھے۔

”یہ لمبی داستان ہے۔ فی الحال ٹیم (ٹائم) نہیں ہے۔“ حیان انہیں تجسس میں مبتلا چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

اب تک یہ دونوں گھر پہنچے، یہاں رونق ہی رونق تھی۔ وادی اور امی مسلسل لٹی میں سرگرا رہی تھیں۔ کمرے میں کچھ شرمندہ اور کچھ بے یقین کھڑے تھے۔ ان کے خیال میں لڑکے بھلا جھوٹ کیوں بلیں۔ ضروریہ عورتیں چھپا رہی ہیں۔

”کیوں بے وجہ جھوٹ بول کر گناہ سمیٹتے ہو۔“ وادیوں کے جانے کے بعد وادی اور امی تاسف کے عالم میں اپنے ہونہار سپوتوں کو دیکھ رہی تھیں۔

”اس میں گناہ سمیٹنے کی کیا بات ہے۔ آخر ایک نہ ایک دن تو ہم کو جرمنی اور امریکہ والوں کو شرف اولیت بخشا ہے۔“ حیان یہ کہتا ہوا بستر پر دراز ہو گیا۔

”جی تو چاہتا ہے، جو نا مار لوں اور تم دونوں کے سر کین کر سوسو لگاؤں۔“

”مگر جوتے کا خیال آجاتا ہے۔“ سبحان نے جیسے مکمل کیا۔

”الماں! ہم نے سنا ہے، آپ کے بچے ملک سے باہر جا رہے ہیں۔“ کچھ اڑے میں رہنے والی آپا صفری بھاری بھر کم وجود کو سنبھالے اب پینچی تھیں۔

”آئیے، آپ ہی کا انتظار تھا۔ چہو ہے کہ لال مار۔ ارے یہ تو ہے اپنی خالہ صفری۔“ حیان نے لی وٹی پر چلنے والے ایک ایڈ کی نقل اتاری۔ سلامہ نے ہنسنا شروع کر دیا۔

”ایک تو ہمیں بات بے بات بڑی ہنسی آتی ہے۔ بلو جا کر خالہ کے لیے چائے بناؤ۔“ امی نے کوفت کے عالم میں بیٹی کو ڈانٹا۔

”رہنے دیں ای! خالہ کے گھر چائے بڑی ہم میوں کی چائے، پینچی، دودھ کیوں ضائع کرتی ہیں۔“ سبحان کی بات سے حیان کو مکمل اتفاق تھا۔

”آنا تم دونوں میرے گھر میں۔ پانی بھی پوچھ لوں تو نام بدل دینا۔“ آپا صفری کا بلڈ پریشر بڑی جلدی ہانکی ہوا کر رہا تھا۔

”اب تو آپ کے اچھے بھی پوچھیں گے۔ ہم امریکہ جو جا رہے ہیں۔“ حیان نے یاد دلایا۔

”اے ہاں وادی! کیا یہ سچ ہے؟“ وہ پھر سے اصل

موضوع پر آئیں۔
”مٹھائی کیا ہم نے یونہی مذاقاً“ بھیجی تھی۔ آخر کوئی توجہ ہوگی ناں۔“

”ہاں“ کہتے تو ٹھیک ہو۔“ انہوں نے دیدے گھمائے۔

”آپ! دفع کرو امریکہ، جرمنی کو۔ تم آج مجھے یہ بتاؤ کہ یوں دیدے کس طرح گھمائی ہو۔“ سچ پوری آنکھ میں لٹو کی طرح گھومتا ہے۔ آئینہ سامنے رکھ کر میں نے ٹی پار کو شیش کی ہریار منہ کی کھائی۔“

”تم دونوں بھائیوں کو دوسروں کا مذاق اڑانے کے سوا کوئی کام نہیں۔ میں تو داوی سے ملنے چلی آئی تھی۔“

”کیوں“ آج کوئی عید کا دن ہے؟“
”حیاں! اٹھ جا کر سبزی لے آ۔ کتنا وقت ہونے کو آیا ابھی تک سودا ہی نہیں آیا۔“

”آجائے گا سودا بھی۔ ہم نے کون سا برائی کو فٹے مرغ مسلم بنانا ہے۔“ مسلمہ نے کچھ جل کر کچھ اکٹا کر کہا تھا۔

”رات کو یہی سب تو کھانا ہے۔ آج چچا ہدایت اللہ کی دختر نیک اختر کی شادی ہے۔“

”ناں رات کو جو کچھ ہمارے ساتھ ہوا اب ہم تو کبھی نہیں جائیں گے۔“ خواتین کا متفقہ فیصلہ تھا۔

”آپ کے نہ جانے سے کسی کو فرق نہیں پڑے گا مگر آپ لوگ اچھے کھانے سے محروم ہو جائیں گی۔“

”پروا نہیں۔ جہاں عزت نہیں وہاں جائیں کیوں۔“

”ہم دونوں بھائی تو ضرور جائیں گے۔“

”ڈرا سی بھی غیرت ہو تو اس گھر میں تھو کو بھی نہیں۔“

”ہم گھر میں تھوڑی سیمن کلب میں جائیں گے۔ آج کا شیش وہیں آج کیا جا رہا ہے۔“

”میں کلب میں خوب روٹی تھی۔ کل تو کچھ نہیں

کہا تھا مگر آج ہدایت اللہ و بیگم ہدایت اللہ نے دونوں بھائیوں کے ساتھ کم قیمت لباس اور جوتوں پر خاصا اعتراض کیا اور داوی اور امی کے نہ آنے پر کسی نے پوچھا تک نہیں۔

بارت ابھی نہیں آئی تھی۔ دلسن بھی پار لگئی ہوئی تھی۔ رشتہ دار خواتین و حضرات ٹولیوں کی صورت میں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ موضوع گفتگو ہر ٹیبل پر لباس اور ان کی قیمت ہی تھی۔ یہ دونوں ادھر ادھر کھل رہے تھے۔

اسی دوران نیو صاحبہ اپنے والد جناب احمد یار صاحب کے ساتھ تشریف لائیں۔ بلیک ساڑھی جس پر اللہ جانے سلور ستارے تھے یا کیا تھا۔ جو بھی تھا بے حد سج رہا تھا۔ شانوں پر لہراتے اخروں کلر کے گھنے چمکدار بال۔ سفید اور گلابی سی رنگت، سلور جیولری سے مزین کان، ہاتھ اور گردن۔ میک اپ بہت لائٹ مگر سلیقے سے کیا گیا اور سب سے بڑھ کر وہ غور جو اک اک ادا سے نمایاں تھا۔

حیاں نے گہری سانس کھینچ کر بڑی تفصیل سے اسے دیکھا تھا۔

”کیا ہوا“ اتنی ٹھنڈی سانس کیوں بھری ہے سارا باجول سرد ہو گیا۔ وہ دیکھو، میرا خیال ہے، انکل احمد کی نقلی بیسی اسی لیے کرکڑ کر رہی ہے۔“

”ٹھنڈی آہیں نہ بھروں تو کیا کروں۔ میں نے تو سنا تھا۔ ماموں ہدایت اور انکل احمد صاحب کے بیچ ایٹ کتے کا بیر ہے۔ وہ ہرگز اس شادی میں شرکت کے لیے نہیں آسکتے مگر وہ آگے۔ مجھے میری کم مائیگی کا احساس دلانے۔ ہونمار، حسین، مغفور بیٹی سمیت۔“

”تم دل پر نہ لو۔“ سبحان نے اس کے ہاتھ ہاتھوں میں لے کر مشورہ اور تسلی دی۔

”کیسے نہ لوں۔ یہی تو ہے وہ ظالم حسینہ جس کے سامنے میری بولتی بند ہو جاتی ہے۔“

”خیر یوں تو نہ کہو۔ زبان تو اللہ کے فضل سے تمہاری ہر جگہ ہی قیمتی کی طرح چلتی ہے اور بچے انگر کیوں کرتا ہے، انکل احمد نے کون سا ڈگریوں پر

اگر باں چڑھائی تھیں یا کمال کے بدی پشتی رئیس تھے۔ چھوٹا سا بزنس تھا ان کا پھر کچھ تو انہوں نے ادھر ادھر ہاتھ مارے اور اچھا خاصا سپر اسٹور بنا کر پڑھے لکھے ملازم رکھ لیے۔ خود تو سوٹ بوٹ پہنے سائینڈ پر بیٹھے رہتے ہیں۔ سارا کام زاکر دیکھتا ہے۔“

”ہاں“ بتا ہے مجھے اور وہی ذکر تو مجھے رقیب روسیہ لگتا ہے۔ اکلوتی بیٹی کو کہیں اسے نہ سوچ دیں۔ جب ہی خیال آتا ہے منہ کا زانقہ خراب ہو جاتا ہے۔“

”خیال بھی تمہیں کیا احمقانہ آتا ہے۔ ارے وہ چند ہزار کا ملازم ہے اسے کیوں دیں گے بیٹی۔ ایسے ہی نہ دے دیتے رہا کرو۔“

”نہ سلام نہ دعا پر خوردار! تمہیں اتنا بھی نہیں پتا کہ بڑا آئے تو اٹھ کر ملتے ہیں سلام کرتے ہیں۔“ حسب عادت انکل احمد ڈھونڈ ڈھانڈ کر محفل کے شرکاء کو ان کی کمزوریوں سے آگاہ کرتے ان کے پاس آئے تھے۔

”ہائے سلام انکل! اصل میں

وہ آئے برسم میں اتنا تو میسر نہ دیکھا پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی ”ہونہ!“ حیاں کے سنا رہا ہے نیو بخوبی سمجھتی تھی۔ خنجر سے سر جھٹک دیا۔

”کیا ہے کیا کہہ رہے ہو۔“ انکل کی سمجھ میں خاک آتا۔

”آپ کیسے آگئے، ہم نے تو دشمنوں کو خوشی خوشی کہتے سنا تھا کہ آپ اگر محفل کا حسن خاک میں نہیں ملائیں گے۔“

”کون کس نے کہا؟“ انکل کے کان محاورہ ”نہیں بلکہ واقعی کچھ کھڑے محسوس ہوئے تھے۔“

”پتا نہیں اس جانب ہماری پشت تھی۔ بس کسی کو کہتے سنا تھا۔“ حیاں بے نیازی سے کہہ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

”میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ بظاہر جو بے رشتہ دار ہیں، یہ اندر سے جلتے ہیں۔ میری دل ان کی نیند میں حرام کیے ہوئے ہے۔“

”بالکل انکل! ٹھیک کہتے ہیں آپ، واہ کیا ذہانت ہے۔“ سبحان نے داودی، جبکہ حیاں میٹھی نظر سے نیو بی بی کو تنک رہا تھا۔

”ویڈی! آپ بھی کس طرح کے لوگوں کے پاس کھڑے ہو گئے ہیں۔“ نیو نے اپنی خوبصورت سی ناک سیکڑ کر یاد دلایا۔

”او!“ جناب بھی چونک۔ دونوں پر تنقیدی نگاہ دوڑائی۔ ”کتنے نالائق۔ لگتا ہے باپ جہاں چھوڑ کر مرا تھا وہیں پر کھڑے ہو۔“ وہ ناپسندیدگی کا واضح اظہار آنکھوں میں بھر کر آگے بڑھ گئے۔

”ذہانت میں بیٹی بھی باپ پر پڑی ہے۔“ حیاں نے تبصرہ کیا۔

”کاش صورت میں بھی باپ جیسی ہوتی۔ تمہاری عقل تو ٹھکانے رہتی۔“

”ویسے بھائی! مجھے اکثر یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ نیو جیسی حسین پری انکل جیسے جین کے گھر کیسے پیدا ہوئی۔“

”ارے لڑکیاں تو پرایا دھن ہوتی ہیں۔ پیدا وہاں ہو گئی تو کیا جانا تو کسی اور کے گھر ہے۔“

”بہت خوب میرے بھائی! یہ یاد دلا کر تم نے میرا سیروں خون پر بھاریا۔“

”چلو اٹھو۔ میرا خیال ہے، ممانی صاحبہ بارت (بارت) کی آمد کی اطلاع دینے کے لیے ہی اتنے بھاری وجود کے ساتھ بھاگتی چلی آ رہی ہیں۔“ سبحان نے بھائی کا بازو ہلا کر توجہ مبذول کروائی۔

”واہ کیا صحت ہے۔“ حیاں نے داودی۔

”کتنے گھر کا کھائی ہیں، آپ کو کیا تکلیف ہے۔“ آنٹی کی بھانجی، بیٹی جو بھی تھی سن کر رہان گئی۔

”تو آپ کے گھر کیا فائدے ہوتے ہیں۔ کیسی سیخ سلائی ہو رہی ہیں۔“ سبحان نے خاصے دکھ کے ساتھ محترمہ کو دیکھا۔

”شٹ اپ! دونوں وہی ہوئیں جو کل بھی آئے تھے۔ سارا وقت لڑکے والوں پر فقرے اچھالتے رہے میں تو سمجھی۔ پھر بھادایت اللہ نے کرائے پر میرا لٹی

منگو لائے ہیں۔ "سر سے پاؤں تک بڑے تمسخر سے جائزہ لے کر تمسخر سے کہا۔

"جب ہی آپ اچک اچک کر ہمیں دیکھ رہی تھیں۔ اپنے اپنے سے لگتے ہوں گے ناں۔" حیان جیسے راز پر کھولا تھا۔

محترمہ بھاری کام والا دوپٹہ غصے سے جھٹک کر بڑھاتے ہوئے کمانی کی جانب بڑھ گئیں۔

یہ دونوں بھی داخلی دروازے کی جانب چل پڑے۔ راستے میں ہی نیو صاحبہ ڈارک بلیو سوٹ پر سلور انڈر جائے کیا سجائے بیٹھی تھیں اور اتنی حسین لگ رہی تھیں کہ حیان صاحب کے قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔

نگاہوں کی تپش محسوس کر کے نیو نے اوپر دیکھا اور برا سامنے بنا کر پھر ساتھ بیٹھی بھورے بالوں والی لڑکی سے باتیں کرنے لگی۔

"کیا یہ بندریا مجھ سے زیادہ حسین ہے؟" نہایت دکھ کے ساتھ بھالی سے سوال ہوا۔

"لباس دیکھو عزیزم! اپنا بھی اور بھوری بندریا کا بھی۔"

"لو جی! اب کیا میں دھنک رنگ ساڑھی باندھ لوں۔"

"اچھا بکواس مت کرو! بات آری ہے۔ آؤ ذرا شغل ہی ہو جائے۔"

"دفع کرو مجھے تو میرے دکھوں نے مار دیا ہے۔ ہائے کیوں آئے یہ انگل احمد اپنی دختر نیک اختر کے ہمراہ۔"

شادی چونکہ نو دولتوں کے ہاں تھی اس لیے کھانے پر شدید بد نظمی رہی۔ ہر کوئی ٹوٹا پڑتا تھا۔ ایسے میں نیو بے زار سی صورت بنائے الگ تھلگ ٹیبل پر شاید رش کم ہونے کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ حیان لڑکھرائی کرتے ہوئے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

گزارا تو دل بے تاب نے یہ گوارا نہیں کیا کہ محبوب بے چارہ تو بھوکا سا بیٹھا رہے اور وہ دولت مند لڑکی چھٹی آنکھوں سے منگوائے ہوں گے ساتھ پلیٹ نیو کی

جانب برہنہائی۔ "ہو نہ! کہہ کر سر کو جھٹک دیا گیا۔ لے لو ناں۔"

"نہیں! آپ کھائیں۔ ہم تو ایسا کھانا کھاتے ہی رہتے ہیں۔" ایک شان بے نیازی سے فرمایا گیا۔ ایک لمحے کو تو اس کے چہرے کا رنگ بدلا پھر ہنس کر بولا۔

"اللہ آپ کو کھانا پیتا ہی رکھے۔" اور پلیٹ وہیں چھوڑ کر اپنی ٹیبل پر آگیا۔

"ارے تم یونہی بیٹھے ہو۔" سبحان کافی دیر کے بعد کامیاب ہو کر اوپر آیا تھا۔

"ہاں میں کھا چکا ہوں۔"

"اتنی جلدی۔" اسے یقین نہیں آیا۔ "ہوں! اصل میں آج طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔ جی ہی نہیں چاہ رہا۔"

"ہکو مت۔ دو جوتے لگیں گے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں تو سوچ رہا ہوں کتنا کھاؤں کہ پھر نیک جنت تک کھانا کھانے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔"

"غریب غریب! اس کے علاوہ اور سوچ بھی کیا سکتے ہیں۔"

"ہائے! ظالم! یہ کیا بک دیا۔ کون غریب غریب! ہم تو اپنے من کے شمشاد ہوتے ہیں۔"

"جنتا نہیں وقت کا چکر اتنی آہستہ کیوں گھوم رہا ہے۔ کبھی تو وہ وقت آئے جب یہ پیسہ ہمیں اوپر اور انہیں نیچے لے آئے۔"

"فکر مت کرو! مجھے دن آنے والے ہیں۔" سبحان ہمیشہ پر امید رہا کرتا تھا۔

"چلو یار! میرا اس کپ میں دل نہیں لگ رہا۔"

حیان واقعی نیو کی بے نیازی دل پر لے بیٹھا تھا۔ اس سے پہلے کہ سبحان پلیٹ میں رکھا چوتھا اور آخری کباب کھانے کے بعد جواب میں کچھ کہتا۔ ہدایت انگل کی صاحبزادی تیزی سے ان دونوں کی جانب لپکیں اور بولیں۔

"دو لہا کو اسٹیج پر لا رہے ہیں آپ دونوں اوپر اسٹیج کے قریب آجائیں اور دیکھیں! دودھ پلائی اور جو نا چھپائی کی تنکڑی رقم ہتھیانے کے لیے آپ لوگوں کو

اداری بھر پور پہلپ کرنا ہوگی۔"

"اتنا تو پیسہ ہے تم لوگوں کے پاس لیکن پھر بھی پیسہ ہتھیانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔"

سبحان کو موقع ملا تھا کیوں نہ نہ تھا۔ "ارے! یہ تو انہی مذاق ہے۔ آپ دونوں اب ابھی جاؤ۔ وہ بھوکا ہی نہیں دیکھ رہی ہیں۔"

دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ "کو! کو! جلدی آؤ۔" اسٹیج کے قریب کھڑے دلہن کے رشتہ دار شدت سے دونوں کے منتظر تھے۔

"آگے تم دونوں بھوکے نریدے۔" وہ گھر میں داخل ہوئے داوی دیکھتے ہی ناراضی سے گویا ہوئیں۔

"بھوکے نریدے کیوں! ہم تو ناکوں ناک بھرے ہوئے ہیں۔ اتنا کھایا! اتنا کہ بس پھر چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ آنکھوں پر بھی چہل چڑھ گئی تھی نا۔"

"کون کون آیا تھا؟" داوی کو عجیبی بھی تھی۔ "سب آئے تھے اور مزے کی بات کسی ایک نے بھی آپ دونوں کو نہیں پوچھا۔"

"ہاں! خون سفید ہو گئے ہیں رشتہ داروں کے اور تم لوگوں کو پھر بھی شرم نہ آئی کہ جہاں پر کسی کو تسماری داوی اور ماں یاد نہیں آئیں وہاں سے اٹھ ہی آتے۔"

"تو اٹھ ہی آئے ہیں بلکہ اتنا کھایا کہ کھانا کم پڑ گیا پھر دو لہا جب اسٹیج پر آیا۔ ایسے ایسے لہے لہے کہ سارے باراتی کھول کھول گئے۔ دیکھ کیجئے گا! دلہن والوں کی طرف سے اب ہمیشہ دل میں کدورت رکھیں گے۔ لڑکی کو سو سو طعنے ماریں گے اور یہی ہمارا مشن تھا۔"

"ارے ناں! بھئی! اللہ سب کی بچیوں کو خوش رکھے۔"

"جب بھی دعا میں دیں گی بچیوں کو! بچے کیا زمانے کے ظلم سہنے کے لیے دنیا میں آئے ہیں۔" حیان نکایت کرنے کے بعد ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

"تم دونوں کے لیے تو بڑی دعا کرتی ہوں کہ اللہ

تمہیں نیک ہدایت دے۔"

"بس صرف ہدایت۔ نہیں! یہ دعا تو بہت کم ہے۔" حیان منہ بسور کر بولا۔

"کبھی خود بھی نماز قرآن پڑھ لیا کرو۔ تم دونوں نے تو مذہب کو بالکل ہی بھلا دیا ہے۔"

"ایسا نہ کہیں داوی! ہم دونوں کے مومن ہیں۔" "مومن! انہوں نے طنز یہ کہہ کر انہی اڑائی۔

"کیوں! آپ نے کیا ہمارے دلوں میں جھانکا ہے اور جہاں تک نماز کی بات ہے۔ سر دیوں میں وضو کرنا مشکل لگتا ہے! گرمیوں میں نماز پڑھتے بڑا پیسہ آتا ہے۔ اگر موسم معتدل رہے تو ہم پانچ وقت کے نمازی بن جائیں۔"

"بلکہ میرا ارادہ تو تہجد پڑھنے کا بھی ہے۔" سبحان نے اضافہ کر کے داوی کا پارہ مزید چڑھا دیا۔

"مومن جیسوں نے ہی اسلام کا نام بدنام کیا ہے۔ ارے کیا یہ مسلمان کی شان ہے۔ ایک ہمارا زمانہ تھا۔ مسلمان لڑکے لڑکیاں کیسے باحیا اور مذہب کے لیے غیرت مند دکھائی دیتے تھے۔"

"اچھا پھر بھلاے میں آکر کیا ہوا آپ کے زمانے کے نوجوانوں کو۔ یہ انکل ہدایت اللہ کے سر جو رشوت لینے میں نام پیدا کر گئے۔ خالہ عی کے شوہر جو ہیرا پھیری کر کے ہمارے تھکے دار کھلائے۔ یہ سب آپ کے زمانے کے جوان ہی تو تھے۔"

"ہاں! تم لوگوں کو تو بس ایسی ہی مثالیں یاد رہیں گی۔ چلو اٹھاؤ میری گود سے سر کو تھکا کر رکھ دیا ہے۔" بے زاری اچانک ہی عروج پر پہنچ گئی تھی۔

"داوی! اوپر شادی پر وہ جناب احمد یار صاحب بیع دختر نیک اختر بھی تشریف لائے تھے۔"

"ہاں! میں! احمد یار اور ہدایت اللہ کی تقریب میں۔"

داوی کی ساری بیزاراری جاتی رہی۔ آواز دے کراہی کو بھی بلا لیا۔ وہ آئیں تو بولیں۔

"سنا تم نے۔ یہ سبحان کہہ رہا ہے ہدایت اللہ کے ہاں احمد یار اور اس کی بیٹی بھی آئی ہوئی تھی۔"

"اچھا اس کی بیٹی کو میں نے کوئی دس برس پہلے

دیکھا تھا۔ بڑی پیاری سی بچی تھی۔ اب کیسی ہو گئی ہے؟“ امی کی دوپٹی جدا تھی۔

”یہ آپ حیان سے پوچھیں۔“ سبحان نے شرارت سے بھائی کو دیکھا۔

”لو میں کوئی لڑکیاں تار تار مٹا ہوں اور پھر اتنی ساریوں میں مجھے کیا پتا کون سی نیو ہے۔“ وہ کچھ چوکنا سا ہو کر دادی کی گود سے اٹھ بیٹھا۔

”اچھا پھر ملا تم سے احمد یار؟“ دادی نے از حد دلچسپی سے اگلا سوال اٹھایا۔

”لو وہ دولت مندوں کو بھی گھاس ڈالتے سو مرتبہ سوچتے ہیں۔ ہم بے چاروں کی فی الحال حیثیت ہی کیا ہے اور وہ بھی ہمارے حال کو دیکھتے ہوئے عزت نہ دینے کے سنگین جرم میں ملوث رہے ہیں بیٹی سمیت۔“ آخر میں حیان کو دیکھ کر کہا گیا۔

”کیا مختصر جملے بول رہے ہو بڑی فضول عادتیں ہیں تم لڑکوں کی۔ جب ہم کہتے ہیں کم بولو تو رکھتے نہیں۔ اب جب پوچھ رہے ہیں تو بتانا کچھ نہیں رہے۔“

”کیا بتائیں کچھ ہوا ہی نہیں۔ بس وہ صابن زادی کے ساتھ آئے کھانا کھانیا پر غور انداز میں دیدے کھما کر آنکھوں آنکھوں میں سب مہمانوں کو فٹے منہ کہا اور چلتے بنے۔“

”بڑا ہی غور ہے اس احمد یار میں بھول گیا اپنا ماضی۔ کیا اوقات ہوا کرتی تھی اس کی۔ غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرنے کی وجہ سے نوکری سے فارغ کر دیا گیا تھا۔ اس کی بیوی مرحومہ لوگوں کے کپڑے سلائی کیا کرتی تھی۔ ہاتھ میں بڑی صفائی بھی لوگ زیادہ پیسے دے کر بھی سلائی کروانے پر تیار ہو جاتے تھے۔ سسے وہ صرف کپڑے سلائی کرتی تھی پھر لڑکیوں کو سلائی سکھانے کا اسکول کھول لیا۔ بس پھر کام چل نکلا۔ کاروبار پھلنے لگا۔ دکانوں پر ان کے سسے اور کڑھائی کے کپڑے ملنے لگے اور دیکھ لہ لہ آج احمد یار کھانا کھا رہے ہیں۔“

”چاری تو دنیا سے اسی محنت مشقت کے دور میں ہی رخصت ہو گئی اور یہ عیش کر رہا ہے۔“

”وہ مری شادی کی تو کی تھی۔“ امی نے یاد دلایا۔

”ہاں کالی کلونی سی تھی دوسری والی۔ بس پتا نہیں یہ مرد کا دل بھی کیا ہوتا ہے اکثر گدھی پر ہی آتا ہے اور وہ کٹو بھی چلتا راز کافی روپیہ پیسہ سمیٹ کر بیاہ کے دوسرے مہینے ہی رخصت ہو گئی تھی۔“

”چلتا راز کیوں۔ عقل مند کہیں نا۔“ حیان نے اختلاف کیا۔

”ہاں۔ نہیں ایسے ہی لوگ پسند آتے ہیں۔“ دادی نے طنزاً ”کہہ کر شرمندہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔“

”ہاں ٹھیک کہتی ہیں آپ دادی جان! ہمارے دونوں بھائی ایسے لوگوں سے بہت متاثر ہوتے ہیں۔ پتا نہیں کس پر پڑے ہیں۔“ سہامہ کو بھی بھائیوں کی یہ باتیں پسند نہیں تھیں۔

”بتا نہیں احمد بھائی کی بیٹی کا رشتہ بھی کہیں ہو گیا ہے یا نہیں۔“ امی کی دوپٹی جدا تھی۔

”نہیں ہوا اور احمد یار صاحب کہتے ہیں نہ تو خاندان میں دوں گا نہ کسی ایسے کو دوں گا جو میری دولت پر نظر رکھ کر میری نازوں کی پالی کا ہاتھ مانگے۔ ویسے آپ نے یوں پر سوچ انداز میں یہ سوال کیوں اٹھایا ہے؟“ حیان نے تفصیل بتانے کے بعد وجہ جاننے کی کوشش کی۔

”ایسے ہی یاد آ گیا تھا۔ بڑی پیاری بڑی بھولی بچی تھی۔“

”آئے ہائے ماں! ماضی کی بات مت کریں۔ اب تو وہ بڑی نازک بلکہ تنگ مزاج ہو چکی ہے۔ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی۔“

”اچھا“ بچی بچی۔ بس ماحول نیچے کو بگاڑنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس بے چاری نے ہوش سنبھالتے ہی جود دیکھا اس کے مطابق ہی بننا تھا نا۔“

”یعنی بچی بے قصور ہے۔ آپ اسے ہنڈر ڈر ہنڈ مار کس دیتی ہیں۔ مبارک ہو چھوٹے بھائی۔“

”کیا اول قول بک رہے ہو۔“ دادی کو سبحان کے اس پورے جملے پر ہی اعتراض ہوا۔

”تو ابھی تو امی خود ہی کہہ رہی تھیں کہ بچی بے قصور ہے۔“

”اچھا بس کرو، چلو جا کر آرام کرو۔ میں بھی تھک گئی ہوں۔“

”تھک آپ گئی ہیں؟ آرام ہم کریں۔“ دونوں ہنس پڑے۔

صبح ناشتے سے فارغ ہو کر سامہ گھر کی جھاڑ بونچھ میں لگی تھی۔ امی پکن سمیٹ رہی تھیں۔ سبحان بخ ایسی جگہ تیار ہو کر کسی دوست کی طرف گیا تھا۔ حیان اور دادی برآمدے میں ایک ہی چارپائی پر بیٹھے تھے۔ دادی کے ہاتھ میں کوئی پرانی سی کتاب تھی۔ وہ جب بھی اس پر نظر جما کر پڑھنے لگتیں۔ حیان پیر جھلانے لگتا۔ چارپائی کے ساتھ ساتھ دادی اور دادی کے ساتھ کتاب بھی اٹل جاتی اور غصے میں وہ اس پر چلانے لگتیں۔ وہ ہنس کر معذرت کرتا مگر اب تک یہ عمل اور معذرت کئی بار دہرائی جا چکی تھی۔ آخر تنگ آکر انہوں نے کتاب بند کر کے تختے کے انداز میں تنکیے پر رکھ دی۔

”آخر سے کیا اس کتاب میں؟“

”ٹوٹکوں کی کتاب ہے۔ سبحان کی شرٹ پر پینٹ کا داغ لگ گیا ہے۔ اسے دور کرنے کو ہی دیکھ رہی تھی۔“

”بچے، ماہر اپنی ماہراندہ رائے دینے کو قریب ہی بیٹھا ہے اور آپ خواہ مخواہ اس باریک لکھائی والی کتاب پر نظر جما کر خوبصورت آنکھوں کا ستیاناس مارنے لگی ہیں۔“

”تم اور تمہارے ماہراندہ مشورے۔“ جل کر طنز یہ انداز میں کہا گیا۔

”لینے تو۔“ ادھر اصرار ہوا۔ وہ منہ سے کچھ نہیں بولیں۔ بس ایک نظر اس پر ڈال کر اجازت دے دی۔

”حل یہ ہے کہ آپ شرٹ کو کسی رنگ میں رنگوا لیجئے جس طرح کا داغ لگا ہے۔ کیوں؟ کیا؟“ اپنے مخصوص انداز میں داد چاہنے کے لیے آنکھ ماری۔

”واہ میرے اللہ۔ کیا بالکل کے بھائیوں سے تو اڑا

ہے تو نے۔ اپنی طرز کے دونوں ہی لاجواب ہیں۔“

سامہ مسئلے کا حل سن کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

”ہمیشہ ہنس پڑتی ہو، کبھی سیریس ہو کر داد بھی دے دیا کرو۔“

”کیا داد میں ہم تمہیں۔ اللہ نے دو بیٹے دیے مگر دونوں ہی نکمے۔“ دادی نے سرد آواز کے درمیان شدید آوازی میں گھرے ہوئے جملہ ادا کیا تھا۔

”ہائے، مرین میرے دشمن۔ ہر کلاس فرسٹ کلاس فرسٹ پڑھائی میں آگے، کھیل میں ٹامور، ڈرامینٹک سوسائٹی کے رکن۔ ابھی کچھ کسراتی ہے کیا؟“ وہ مارے صدمے کے ان کی گود میں گر پڑا۔

”مارے کیا فائدہ ایسی کامیابیوں کا۔ جب نوکری ہی نہیں ملی۔“

”مل جائے گی۔ کبھی ہمیں مایوس دیکھا ہے۔ انٹرویو دینے جاتے ہیں تو یوں جیسے دینے نہیں بلکہ انٹرویو لینے والوں میں شامل ہیں اور پرامید بھی یوں رہتے ہیں جیسے یہ ملیں، یہ انڈسٹریاں ہمارے آبا کی ہیں۔ بس ابھی کال کر کے بلوائیں گے۔“

”پتا نہیں تم دونوں کس مٹی کے بنے ہوئے ہو۔ مرنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے، گھر کی گاڑی چلانا مشکل ہو رہا ہے، تمہیں پرواہی نہیں۔“

”روئے دھونے سے اگر مسائل میں کمی ہو سکتی ہے تو پھر میں اور بھائی آج ہی دھواڑیں مار کر روٹا شروع کرتے ہیں۔ سامہ! آج تم گھر میں دکھائی دے رہی ہو، کیا کوئی اہم ٹیسٹ تھا؟“

”توبہ ہے بھائی! آپ نے تو مجھے ٹالا نقوں کی استاد سمجھ رکھا ہے۔ آج امی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی، اس لیے چھٹی کر لی۔“

”انٹھو حیان اور ازے بروٹک ہو رہی ہے۔“ دادی نے اسے گود سے دھکیلنے کی کوشش کرتے ہوئے بتایا۔

”ہاں دیکھو تو۔ ہو سکتا ہے نصیب ہی بروٹک دے رہا ہو۔“ وہ تیزی سے اٹھا پھر دے قدموں سے دروازے کی جانب یوں بڑھنے لگا جیسے واقعی یقین ہو کہ بروٹک نصیب کی ہی ہے۔

دروازہ کھولا، باہر سامنے والے مرزا صاحب سر پر سفید ٹوپی، ہم رنگ بے داغ لباس اور چھڑی کے ساتھ کھڑے تھے۔

”واہ کیا شان ہے انکل! آپ کی بھی اور یہ رنگ آپ پر سوٹ بھی بہت کرتا ہے۔“ ذرا اونچی آواز میں تعریف کی اور سبزی کی ریڑھی کے اطراف میں گھیرا والے کھڑی مکے کی سب بھابھیاں، باجیاں اور حمر متوجہ ہو کر مرزا صاحب کو دیکھ کر ہنس پڑیں کہ ان کی کالی سیاہ رنگت اور سفید لباس واقعی حسین امتزاج تھا۔

”بھٹا حیان! مجھے تم سے ایک کام تھا۔“

”اگر رازداری شرط ہے تو اندر آجائیے۔“

”او، کیسی باتیں کرتے ہو۔ کبھی میری بھتیجیاں آ رہی ہیں، کچھ ہی دیر پہلے بھابھی کا پنڈی سے فون آیا ہے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے میں ٹرین پہنچ جائے گی۔ تم ذرا اسٹیشن جا کر بچوں کو لے آئے۔“

”واہو، اچھا اچھا۔“ اس نے سمجھ کر اثبات میں سر ہلایا پھر بولا۔ ”آپ خود کیوں نہیں چلے جاتے۔ میزا مطلب ہے، وہ آپ کو دیکھ کر زیادہ خوش ہوتیں۔ میرا بھلا ان بچوں سے کیا رشتہ۔“

”میں ضرور چلا جاتا مگر تمہاری خالہ کے گردے میں اچانک درد شروع ہو گیا ہے، ورنہ میں تو بالکل تیار تھا۔“

”چلیے، کوئی بات نہیں۔ میں چلا جاتا ہوں۔“

”شباباش بچے! یہ پیسے رکھ لو، چلے تو دیگن سے جانا مگر واپسی پر ٹیکسی میں آجانا۔“

”جی جی، واہ کیا بصیرت ہے۔“ منہ بنا کر داد دی۔

”اسوں نے پیسے تھمائے ٹرین کا ٹائم بتایا۔ جانے کو اسے تو اسے خیال آیا۔“

”مرزا صاحب! ذرا بچوں کے حال چلیے تو بتا دیجئے۔“

”رگت میں تو آپ پر ہی پڑی ہوں گی مگر پھر بھی۔“

”نہیں میاں! یہ تو میرا ہی رنگ جانے کس پر پڑ گیا، وہ امارا خاندان تو رنگ و روپ میں سینکڑوں گومات خانا ہے۔ بچیاں بھی خاصی خوبصورت ہیں۔ یہی کوئی امارا کی عمر ہوگی اور تین لڑکیاں ہیں۔ ایک کا نام

ناہید، دوسری عقیلہ اور تیسری ان کی کوئی ننھیالی کزن ہے۔“

”سامہ کی عمر کی۔ مگر آپ تو بچیاں بچیاں یوں کہہ رہے ہیں۔ میں سمجھا سچ سچ کوئی ننھی منی لڑکیاں ہیں۔“

”مارے تو میرے لیے تو بچیاں ہی ہوئیں نا۔“

”جی، بچا فرمایا آپ نے۔ لوکلے میں ایک نئی افواہ، ایک نیا اسکینڈل۔ پتا نہیں مسٹر حیان! تمہاری زندگی میں اتنی رنگینی دکھائی کیوں دیتی ہے۔ حالانکہ حقیقت بالکل الٹ ہے۔“

سبحان گھر آکر بڑی بے قراری سے حیان کا انتظار کر رہا تھا۔

”آخر کتنا کیا ہے تمہیں اس سے۔ جب سے آئے ہو، بار بار دروازے کے چکر کاٹ رہے ہو۔ کہہ تو رہی ہوں، مرزا صاحب کے مہمانوں کو لینے اسٹیشن گیا ہے اور ٹرین پورے ٹائم پر تھوڑا ہی آجائے گی۔“

”امی کو اس کی بے قراری پر ابھن ہو رہی تھی۔“

”نن مہمانوں کو بھی آج ہی آنا تھا۔“ وہ گرنے کے انداز میں پلنگ پر بیٹھ گیا۔

”دھیان سے پرانا ہے، ٹوٹ نہ جائے۔“ دادی نے فوراً ٹوکا تھا۔

”تیا، خواہوں گا۔“

”ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ مفت میں بٹ رہے ہیں۔“

اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ کہتا، پسینے میں شرابور حیان چلا آیا۔

”ہائے، پالی پلو، تو۔ ٹمک بھی ڈال دینا۔ ہائے مرزا! اس زندگی میں تو میں مجبور ہوں، روز قیامت تیرا گریبان ہو گا اور میرا ہاتھ۔“

”قیامت بہت دور ہے۔ تم پہلے دوسرے کمرے میں آؤ اور میری شرٹ اتار کر دو۔“

”توبہ توبہ، بھائی مدد حال ہے اور تمہیں شرٹ کی

پڑی ہے۔ میں نہیں دیتا۔" حیان بیٹھے سے لیٹ گیا۔
 "اٹھ نا، آجا میرا چاند۔" سبحان نے اشارہ کیا اور سمجھ کر حیان فوراً "دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

"یار! بڑی اہم خبر ہے۔"
 "کیا کئی کے کلر پر نیاز پٹ رہی ہے؟"

"نہیں یار! اب خبر اتنی بھی بڑی نہیں۔ بس وہ جو میرا دوست ہے نا کامران، اس کے انکل کا اپنا بزنس ہے۔ جو کئی ملکوں میں پھیلا ہوا ہے۔ کامران کو تو تم جانتے ہو، میرا کیا پیارا دوست ہے۔ بڑی منت کی اس نے اپنے انکل کی اور وہ مجھے اپنے ساتھ دو بی لے جانے پر تیار ہو گئے ہیں۔ وہاں مجھے اپنے آفس میں کام دیں گے پھر بزنس ٹور پر یو کے روانہ کریں گے۔ بس پھر میں جانوں اور میرا کام۔"

"جج۔" حیان کو یقین نہیں آیا۔
 "ارے پہلے پہل مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا مگر آج ہماری تیسری ملاقات تھی۔ پاسپورٹ وغیرہ سب کامران نے بنوا دیا ہے۔ یار! وہ واقعی میرا بہترین دوست ہے۔ پیسے والا ہو کر بھی بڑا دل رکھتا ہے۔"

"اچھا تیسری ملاقات بھی مجھے اب بتایا جا رہا ہے۔"

"نہاںست ہو، میں پوری تسلی کرنے کے بعد بتانا چاہتا تھا۔ ویسے ابھی گھر میں ذکر نہ کرنا۔"

"میں تمہاری کامیابیوں کے لیے دعا گو ہوں بھائی!"

"خیر۔ تمہاری دعاؤں سے مجھے کیا... پتا ہے وہ قبول ہو ہی نہیں سکتیں۔"

شام کو دادی منگائی کا روٹا رو رہی تھیں۔ سبحان اپنے مخصوص انداز میں انہیں آنے والے سنری دور کی تصویر دکھا کر مزید غصہ دلا رہا تھا۔ جب مرزا صاحب کی تینوں مہمان لڑکیاں خوبصورت رنگوں کے لباس زیب تن کیے آپ بچیں۔

"میں کیا یہ گھر ہے حیان؟" رہنمائی کے لیے

ساتھ آنے والے بچے سے سوال کیا۔
 "ہاں جی، وہ سامنے تو بیٹھے ہیں۔" بچے نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

لڑکیوں نے حیان کی پرسنالٹی کو ذہن میں رکھ کر کچھ اور ہی سوچا تھا۔ یہ چھوٹا سا خستہ حال مکان جیسے حواسوں پر بجلی بن کر گر رہا۔

"یہی ہیں وہ تفت کی پرکلاں۔ میری ساری دوسرہ بریاد کر دی۔" حیان نے سبحان کی جانب جھک کر تعارف کروایا۔

"چلو، کوئی بات نہیں۔ تم نے بھی تو مرزا صاحب کے لیے پیسوں سے کافی رقم بچال ہے۔"

"تو اور کیا اسٹیشن سے اُدھے راستے تک انہیں وگین پر لایا پھر آگے سے ٹیکسی لے لی۔ یہ کہہ کر کہ اسٹیشن پر جو ٹیکسیاں کھڑی ہوتی ہیں ان کے ڈرائیور بڑے مفکوک قسم کے ہوتے ہیں۔ پورے سو روپے بچے ہیں۔ آج شام آپ سب کو آکس کریم کالڈریک کھلانے کا ارادہ تھا کہ یہ چلی آئی ہیں۔"

"آؤ بچو! رک کیوں گئیں؟" امی سواگت کو بروہیں۔ سامہ نے بھی پیروی کی جبکہ دادی لڑکیوں کی چست ٹیصوں اور گلے میں جھولتے دھپٹوں کو ناگواری سے دیکھنے میں مصروف تھیں۔

"حیان! آپ نے بتایا ہی نہیں، اب اس گھر میں رہتے ہو۔" ان میں سے ایک چارپائی کے کنارے پر تکلف سے بیٹھنے لگا ہوا۔

"آپ نے پوچھا کب تھا۔ ویسے اس گھر میں کیا خرابی ہے؟" وہ ساری توجہ چائے کی جانب رکھتے ہوئے بولا تھا۔

"ہائے" یہ بھی کوئی گھر ہے۔ لگتا ہے آٹار قدیم دیکھ رہے ہیں۔"

"یہاں تو ہم عارضی طور پر رہ رہے ہیں۔ ہمارا جو اصل گھر ہے وہاں تو ہم مہمانوں کی پہلے لوگت دیکھتے ہیں پھر اینٹری کی اجازت دیتے ہیں۔" سبحان شہانہ انداز میں بتا رہا تھا۔

"آپ یقیناً حیان کے بھائی ہیں۔" لڑکیوں کو حیان

کی طرح سبحان کی پرسنالٹی نے بھی کافی متاثر کیا۔
 دروازے پر دستک ہوئی۔

"لگتا ہے کوئی انجان ہے، ورنہ دروازہ تو کھلا ہے۔"

حیان یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ باہر جھانک کر دیکھا۔ انکل امجد اپنی بڑی سی شاندار چمکتی دکنی گاڑی میں جلوہ افروز ادھر ہی دیکھ رہے تھے جبکہ ان کا ڈرائیور دروازے پر ایک لفافہ لیے کھڑا تھا۔ اس نے انکل تک جا کر انہیں مودبانہ سلام کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ سوالیہ انداز میں ڈرائیور کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ جی صاحب کی جانب سے، نیا ہنگل بنایا ہے، وہیں پر دعوت ہوگی۔" اس نے اس بڑے سے لفافے میں سے ایک چھوٹا لفافہ نکال کر اس کی جانب بڑھایا۔ حیان نے لفافہ پکڑا اور انکل امجد کی جانب دیکھے بغیر اندر آ گیا۔

"کیا ہے پھر کسی کی شادی کا کارڈ۔ پتا نہیں لوگ ابھی موسم تک انتظار کیوں نہیں کر سکتے۔" سبحان نے تبصرہ کیا۔

دادی بولیں۔ "کون تھا میں نے گاڑی کی کواڑ بھی سنی ہے۔"

"حضرت امجد موسیٰ صاحب تشریف لائے ہیں۔"

"امجد آیا ہے۔ ارے اٹھو لڑکیو! جگہ خالی کرو۔"

دادی کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ امی بھی جلدی جلدی چائے کے خالی برتن سمیٹنے لگیں۔ سامہ نجانے کیوں اندر کی جانب لپکی۔ مہمان لڑکیاں اس افراتفری سے گھبرا کر ایک جانب کھڑی ہو گئیں۔ حیان نے کچھ دیر ناشاریکہ پھر لولا۔

"ہملہ تو مکمل ہونے دیا کریں۔ امجد آیا نہیں، آیا تھا۔ اب چلا گیا ہے۔"

"اوپر۔" دادی ایک فخت کے ساتھ دوبارہ براجمان ہو گئیں۔

"کون ہیں یہ صاحب؟" لڑکیوں میں سے ایک نے سامہ ہنگامے سے متاثر ہو کر سوال کیا۔

"میرا رشتہ کا بھانجا ہے۔ عمارتیں بنوانے کے لیے لیتا ہے۔ بڑا کاروبار ہے اس کا۔ بہت پیسے والا

ہے۔ ادھر تو کبھی کبھار ہی چکر لگتا ہے۔"

"جی ہاں، بیٹھے یاد پڑتا ہے۔ آج سے پہلے لبا کی وفات پر ہی آئے تھے۔" سبحان نے سر ہلایا۔
 "آج بھی وہ کب آئے ہیں۔ ڈرائیور کے ہاتھ کارڈ بھیجا ہے۔ خود گاڑی میں بیٹھے رہے۔ یقیناً کسی امیر رشتہ دار کے ہاں جلوہ افروز ہونا ہو گا۔ راستے میں ہمارا دولت خانہ پڑنا ہو گا اس لیے صدر دروازے پر مجبوراً" گاڑی سمیت چلے آئے۔" سبحان یہ کہتے ہوئے لفافہ پھاڑ کر کارڈ نکال چکا تھا۔

"بیٹھے کارڈ ہی بتا رہا ہے کسی امیر لیکن ان پڑھ کی چوائس ہے۔" اس نے شہنشاہ کا کارڈ لہرایا۔

"پڑھو تو، کس کی شادی ہو رہی ہے۔" امی نے اپنی دلچسپی کا سوال کیا۔

"شادی نہیں، نیا غریب خانہ بنایا ہے۔ امجد انکل نے۔ بس اسی کی خوشی میں سب کو مدعو کیا ہے اور آپ کو تو پتا ہے ایسے موقعوں پر غریب رشتہ داروں کی آنکھوں کی حیرت اور حسرت ہی تو مزیدیتی ہے، اسی لیے ہمیں بھی بلوایا ہو گا۔"

"اچھا جی۔ ہم چلتے ہیں۔" تینوں لڑکیاں اس گھر سے باہر ہو کر اجازت مانگنے لگیں۔ دادی رکنے کو کہنا چاہتی تھیں مگر اس سے پہلے سبحان نے بخوشی اجازت دے دی۔

"کچھ تمیز کرو۔ مرزا صاحب سے محلے داری ہے۔ کیا سوچیں گے، میری بچیوں کو چائے تک نہیں پلائی گئی۔"

"ارے تو مرزا صاحب کون سا ہمارے واری صدقے جاتے رہے ہیں۔ جب کبھی کام پڑتا ہے تب ہم یاد آجاتے ہیں۔" سبحان کے انداز میں لاپرواہی تھی۔

"امی! کیا ہم جائیں گے امجد انکل کے ہاں؟" سامہ پوچھ رہی تھی۔

"کیوں نہیں ضرور چلیں گے۔" یہ جواب سبحان کا تھا۔

"پھر مجھے نیا سوٹ اور نئی جوتی لے کر دیں۔" وہ

نروٹھے پر سے گویا ہوئی۔

”تھوڑے مہینے کی بات ہے پھر تمہاری وارڈروب چھوٹی پڑنے لگے گی۔“

”وارڈروب ہے ہی کہاں بھیا!“ وہ اکٹا ہٹ سے بولی۔

”آئے والوقت بہت کچھ لارہا ہے لڑکی!“

”بس چپ کر جاؤ۔“ امی نے ڈپٹ کر سبحان کو خاموش کروا دیا۔

”ماں! کیا خیال ہے، جا نہیں!“

”بہو! دل تو نہیں مانتا مگر اللہ کا حکم ہے۔ رشتہ داروں سے میل ملاپ رکھو، اس لیے انکار بھی نہیں کر سکتی۔“

”میں ان پھینچ کرٹوں کے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گی۔“ سہماہ نے وہابی دی۔

”تمہارے لیے ہم دونوں بھائی کوئی نہ کوئی انتظام کر دیں گے۔ اندازاً کتنی رقم درکار ہے تمہیں؟“

”پتا نہیں سبحان بھائی! میں نے کب خریداری کی ہے۔“

”خبردار، محنت بھی کرو گے تو اس فضول خرچی کے لیے سہماہ کا جانا کچھ اتنا ضروری بھی نہیں۔ میں کہاں اور ساتھ میں حیان چلا جائے گا۔“ امی نے پروگرام طے کر لیا۔

حیان کے اندازے کے عین مطابق نیوہ تقریب میں موجود تھی۔ وہی لیا دیا انداز اور معصوم مگر مغرور حسن کے ساتھ۔ اس لڑکی کو دیکھ کر ہی اسے اپنی کم مائیگی کا افسوس ہوا کرتا تھا۔ وہ بہت مضبوط دل و زبان کا لڑکا تھا مگر یہ نازک سی لڑکی اسے بے بس کر دیتی تھی اور

اوجھڑاس کی نظموں کے حصار کو محسوس کرتے ہی اس کی پیشانی پر شکنیں اور آنکھوں میں غم کی شدت سے شرارے بھی بھرنے لگتے تھے۔

”ای! یہ نیوہ ہے۔“ جب وہ سر جھٹک کر اپنی سوت چھوڑنے کا ارادہ کر رہی تھی۔ حیان نے امی کو بتایا تھا۔

”جی ہاں! ہر کوئی یہی کہتا ہے۔“ اس نے اوجھڑاھر کسی کی تلاش میں نگاہ دوڑاتے ہوئے بڑے بے تاثر سے کچھ میں کہا۔

”ارے اتنی بڑی ہو گئی۔ دیکھنا تو کہاں! کیسی پیاری لگ رہی ہے۔“ اور دادی نے یہیں بیٹھے بیٹھے ”اواز لگا دی۔“

”اے ہے بچی! ذرا اوجھڑا آنا۔ آخر کورشتے میں تمہاری دادی لگتی ہوں۔“ وہ بادل خواستہ چلی آئی اور قریب آکر سوالیہ انداز میں دادی کی جانب دیکھنے لگی۔

”بچی! کسی نے یہ نہیں بتایا کہ بیویوں کو سلام کرتے ہیں۔ میں تمہاری دادی اور یہ ممالی لگتی ہے۔ ساتھ میں اس کا بیٹا ہے۔ یہ بھی تم سے بڑا ہے۔“

”سلام!“ اس کا انداز بھرپور بیڑاری لیے ہوئے تھا اور حیان کا جواب اتنا ہی پر جوش اور پر خلوص تھا۔

”بیٹھو نا۔“ امی کو اس کے ناز خورے نے بھی بدل نہیں کیا۔ وہ بڑی دلچسپی سے اس کی پیاری صورت کو تنک رہی تھیں۔

حیان کو جھٹکا سا لگا۔ جب اسے کرسی پر امی کے سامنے بیٹھتے دیکھا۔ دل میں سوچا۔ لڑکی مروت سے اتنی بھی عاری نہیں ہے، جتنا کہ میں نے اندازہ لگایا تھا۔

”تمہاری امی بڑی اچھی خاتون تھیں۔“

”جی ہاں! ہر کوئی یہی کہتا ہے۔“ اس نے اوجھڑاھر کسی کی تلاش میں نگاہ دوڑاتے ہوئے بڑے بے تاثر سے کچھ میں کہا۔

”تمہارے لبا، تمہارا خیال تو رکھتے ہیں بچی؟“ دادی کے لیے میں اس کے لیے بڑی محبت اور فکر تھی۔

”وہ میرے والد ہوتے ہیں۔ خیال کیوں نہیں رکھیں گے۔“ نیوہ کو یہ سوال خاصا بے تکا محسوس ہوا تھا۔

”میرا مطلب تھا کہ ماں نہ رہے تو باپ بھی بدل جایا کرتے ہیں۔“

”اچھا! میں چلتی ہوں۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ تینوں میں سے کوئی روک نہیں سکا۔

”یار! یہی ہمیشہ جیسی ہی رہی۔ امیر رشتہ داروں کی خوش گپیاں، سنجیاں اور مستقبل کے پلان۔ امی اور

دادی ہمیشہ کی طرح رشتہ داروں کے رویوں پر رنجیدہ رہتی رہیں۔ وہ تو آیا ہی نیوہ کے لیے تھا۔ اس کی نگاہیں اس کا پیچھا کرتی رہیں۔

انگل احمد کو سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے اس نے بھی دیکھا تھا مگر بہت فاصلے پر ہونے کی وجہ سے کچھ اندازہ نہیں لگا سکا۔ وہ تو جب ان کے قریب کھڑے افراد اپنی اپنی مشغلوں چھوڑ کر ان کی جانب لپکے، تب اسے بھی معاملے کی خرابی کا احساس ہوا۔

انگل احمد کی حالت دیکھ کر نیوہ رونے لگی تھی اور بہت سے افراد اسے تسلی دینے میں مصروف تھے۔

انگل احمد کی گاڑی اور ڈرائیور تو موجود تھا۔ انہیں اسپتال لے جایا جائے گا۔ تب دادی نے حیان کو اشارے سے ساتھ جانے کو کہا۔

صرف وہی نہیں اور بھی بہت سے لوگ اپنی اپنی گاڑیوں میں جا رہے تھے۔ امی اور دادی نے کہہ دیا۔

”تمہاری فکر مت کرنا، ہم رکشہ لے کر گھر چلے جائیں گے۔ بس تم احمد کا خیال رکھنا۔“

احمد صاحب کو مارٹ کا بلکا سا انیک ہوا تھا۔ ڈاکٹروں کے مطابق فکر والی کوئی بات نہیں تھی مگر رات تو انہیں اوجھڑا رہنا تھا۔ جوں ہی چیک اپ کے بعد انہیں روم میں شفٹ کیا گیا، سب ہی ایک ایک کر کے جانے کی اجازت طلب کرنے لگے۔

”انگل! آپ تو رک جاتے بھائی جان! آپ ہی پلیز دیکھیے ناں میں اکلی ہوں۔ ڈاکٹروں نے تو تسلی دی ہے مگر میرا دل بہت جھبرا رہا ہے۔“ جو بھی نیوہ کے پاس جانے کی اجازت کے ساتھ آتا، وہ التجائیہ انداز میں یہی فقرے دہراتی اور جواب میں سب اپنی اپنی کمبودیاں بیان کرنے کے بعد تسلی دیتے۔

”جب ڈاکٹر کہہ رہے ہیں، پریشانی کی کوئی بات نہیں پھر تم کیوں جھبراتی ہو۔ دیکھ لینا، صبح تک تمہارے بابا بالکل ٹھیک ہو جائیں گے اور ہم بھی کل ضرور چکر لگائیں گے۔“

تہستہ تہستہ سب چلے گئے۔ اب یہاں کارڈیور میں نیوہ کے پاس ڈرائیور اور حیان ہی تھا۔

”آپ نہیں گئے؟“ سب کے جانے کے بعد وہ اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

”نہیں، میں رات یہیں ٹھہروں گا۔“

”شکریہ لیکن ڈرائیور موجود ہے۔“

حیان بھی اس کے لیے ڈرائیور کی طرح ہی بالکل اس سے بھی بڑھ کر انجان تھا۔ ایک ایسا شخص جس سے کبھی کبھار خاندان کی کسی تقریب میں سرسری ملاقات ہو جاتی تھی اور جو اپنی اوقات بھول کر چاند کا ترنابی بن بیٹھا تھا۔ نیوہ کو اس سے ہمیشہ الجھن ہی ہوا کرتی تھی بلکہ سارے ہی غریب رشتہ داروں کو دیکھ کر وہ ایسے ہی احساسات سے دوچار ہوا کرتی تھی۔ ان کی محبتیں بناوٹی لگتیں۔ ”غرض کے غلام تعلقات بنانے کے چکر میں رہتے ہیں اب اسے“ اسی لیے ملتے ہیں کہ شاید کچھ میسے ہی ہاتھ پر رکھ دیں۔ کلم چور، کھنڈ۔“ وہ دل ہی دل میں انہیں ایسے ہی القابات سے نوازا کرتی تھی۔ یہ بھی شکر کہ ان کی فیملی میں سے اکثریت اب کھاتے پیتے گھرانوں کی تھی۔ کچھ خاندانوں میں سے لڑکے بیرون ملک چلے گئے۔ کچھ نے پاکستان میں ہی جائز ناجائز طریقوں سے پیسہ اکٹھا کر لیا۔ تعلیم کی شرح اس خاندان میں کچھ زیادہ تسلی بخش نہیں تھی مگر پیسہ اتنا ضرور تھا کہ ایک دوسرے سے ملتے ہوئے ڈینگیں مار سکیں۔

ساری رات نیوہ بے چینی سے شعلتی رہی۔ ڈاکٹر نے تسلی دی تھی مگر وہ بچی تھی۔ باپ کی بیماری نے اسے بہت پریشان کر دیا تھا۔ ڈرائیور باہر پارکنگ میں چلا گیا تھا جبکہ حیان نیوہ کے پاس ہی تھا۔

صبح ہوئی تو ملنے والے آئے لگے جو انہیں سکے، موبائل پر حال احوال دریافت کر رہے تھے۔ نیوہ خاصی مصروف تھی۔

وہ کسی سے بات کر کے فارغ ہوئی تو حیان چلا آیا۔

”میرا خیال ہے، اب مجھے چلنا چاہیے۔“ یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر تنگن مگر بڑی دوستانہ سی مسکراہٹ بھی تھی۔ نیوہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور بڑی سنجیدگی سے بولی۔

”بہت شکریہ۔ رات آپ نے ہمارے لیے خاصی تکلیف اٹھائی۔ ویسے اس کی ضرورت تو نہیں تھی۔ میرا ملازم تھا میرے پاس اور ایمر جیسی کی صورت میں کال کر کے میں کسی بھی جانے والے کو بلوا سکتی تھی۔ بہر حال پھر بھی آپ کا شکریہ۔“

”تو مجھے اجازت۔“ اس کا چہرہ اور انداز دونوں ہی حیاں کو بھی سنجیدہ کر گئے۔

”ایک منٹ۔“ وہ شوڈر بیگ کھولنے لگی پھر اس نے ایک ہزار کانٹ نکال کر حیاں کی جانب بڑھادیا۔ ”کچھ منگوانا ہے کیا؟“ فوری طور پر یہی خیال ذہن میں آیا۔

”نہیں، میرا ملازم موجود ہے۔“ اس نے پھر حیاں اور بولی۔ ”یہ تو ہمارے لیے ہے۔ آخر رات تم نے یہاں کال ہے بہت شکریہ۔“

گردن کو ذرا سا ایک جانب جھکا کر پھر غرور انداز میں وہ آگے بڑھنے لگی تھی۔ تب حیاں نے آواز دے ڈالی اور جو نوٹ اس نے اس لیے تھام لیا تھا کہ شاید وہ کچھ منگوانا چاہتی ہے دوبارہ اس کے ہاتھ پر رکھ کر وہ خاموشی سے لوٹ آیا۔

ساری رات جاگ کر بھی اتنی تھکن نہیں ہوئی تھی جتنی نیو کے دے نے بخشی تھی۔

”میرے غلوے کا کتنا غلط مطلب لیا اس نے۔ کیا سمجھا اس نے مجھے۔“ اس کے سر میں دھماکے سے ہورہے تھے۔

اپنی قلی میں آکر اس نے یہاں ایک دوسرے کے برابر میں کھڑے مکانوں کو دیکھا۔ یقیناً اس قلی کا سب سے بڑا مکان اسی کا تھا۔ مرمت کو ترستا ہوا ایک منزلہ مکان کتنا غریب اور برا محسوس ہوتا تھا۔ قلی کی شان پر دھبے کی طرح اور ایسے ہی ہم ہیں۔ امیر رشتہ داروں کے لیے باعث شرمندگی۔

”اے حیاں امیر کی امان کو باز اور جانا ہے روک دے رکشہ تو لا دینا۔“ دروازے میں کھڑی ایک خاتون پکار رہی تھیں اور اس نے جو چاہے کھلے والے پریشان ہوئی تھی نہ کسی کام کے لیے ہی بلائے ہیں ان کی آواز پر

لیک کر کہنے کے بجائے گھر کی جانب چل پڑا۔ ”برخوردار انہماں چاہے ہو، اب سلام دعا کے بھی روادار نہیں رہے۔“ یہ قلی میں بنے سب سے اونچے مکان میں رہنے والے ایک صاحب تھے۔ کبھی ٹھیکیداری کرتے تھے، اب یہ کام بڑے بیٹے نے سنبھال لیا تھا۔ چھوٹے دونوں سارا دن تو بارہ گروی کرتے تھے اور اب حضور دوسروں پر تنقید کا دلچسپ مشغلہ اپنائے ہوئے تھے۔ آج سے پہلے حیاں نے ان کے پچھلے فقروں کو ہنسی میں اڑایا تھا مگر آج وہ بہت حساس ہو رہا تھا۔ ایسی باتیں دکھ میں مزید اضافہ کر رہی تھیں۔

گھر میں داخل ہوا، امی سامنے برآمدے میں بیٹھی سہری بنا رہی تھیں۔ دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئیں اور بولیں۔

”خیر تو ہے۔ احمد بھائی ٹھیک ہیں نا۔ تم اس طرح کیوں چلے آ رہے ہو۔“

”سب خیریت ہے امی! بس تھک گیا ہوں۔“ وہ یہیں برآمدے کی میز چھ پر بیٹھ گیا۔ امی، سامہ کو آوازیں دینے لگیں۔ وہ آئی تو بولیں۔

”بھائی کو ناشتا بنا دو، بہت تھک گیا ہے میرا بیٹا۔ ساری رات جاگتا رہا ہو گا۔“

داوی بھی آواز سن کر بلی آئیں اور احمد صاحب کی خیر خیریت پوچھنے لگیں۔



سبحان رات کو گھر آیا تھا۔ حیاں نے ساری بات اسے بتائی اور کہا تھا۔

”وہ میرے اندازے سے بڑھ کر مغرور اور بددماغ ہے۔“

”سارے دولت مند ایسے ہی ہوتے ہیں۔ میں باہر چلا جاؤں پھر تم لوگوں کے دماغ بھی ایسے ہی ہو جائیں گے اس لیے زیادہ سینشن مت لو۔“

”آج امی اور داوی مجھ سے کہتی رہیں احمد سے ملنے جانا ہے مگر میں لے کر نہیں گیا، نہ ہی آئندہ جاؤں گا۔“

یہ فریضہ تم نبھاسکتے ہو تو نبھا لو بڑے بھائی۔“
 ”ہاں۔ دیکھیں گے۔ اصل میں ہم ذرا مصروف
 بندے واقع ہوئے ہیں۔“ سبحان یہ کہتے ہوئے بھائی
 کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا اور بولا۔
 ”یار! کوئی گانا ہی سنادو۔ پردیس میں جا کر جب
 تمہیں یاد کرنا چاہوں تو یادوں کی بنیاد میں کچھ تو ہو۔“
 ”پور نہیں کرو یا ر! اس وقت تو مجھے گانا نہیں،
 گالیاں یاد آ رہی ہیں جو میں سارے مغرور بد مزاج
 لوگوں کو دینا چاہتا ہوں۔“
 ”لو! اب بس کرو۔ اتنا سوگ نہ مناؤ۔ ہو گئی غلطی
 اس سے۔ چلو ایک دولت مند کی طرف سے دوسرا
 دولت مند معافی مانگتا ہے۔“
 ”نہیں نہیں میں معاف نہیں کر سکتا۔“
 ”نہیں تو نہ سہی۔ ہماری صحت پر کیا اثر پڑتا ہے۔
 چلو چل کر سوؤ اور مجھے بھی سونے دو۔ کل ایک خواب
 دیکھنا شروع کیا تھا جب رگمیں ہونے لگا ایک بد تمیز چمچر
 نے دخل اندازی کر کے نیند حرام کر دی۔ آج میں وہیں
 سے سلسلہ جوڑوں گا اور دوبارہ دیکھوں گا۔“

ایسی اور داوی روزانہ ہی لوگوں سے نیو کے ہاں چلنے
 کو کہتی تھیں۔ سبحان فارغ نہیں ہوتا تھا۔ حیان بانٹا
 نہیں تھا۔ حالانکہ وہ اتنا ضدی کبھی نہیں رہا تھا۔
 آخر ہفتے کے بعد سبحان وقت نکال کر انہیں لے
 جانے پر راضی ہوا جس وقت یہ لوگ ان کے گھر پہنچے
 احمد صاحب کے کچھ ملنے والوں کے علاوہ ایک مولیٰ سی
 خاتون بھی موجود تھیں جو ان کی تیمارداری میں قابل
 اعتراض حد تک آگے آگے تھیں۔ خاص کر جب
 انہوں نے احمد کو سارا دے کر جوں پلانے کے لیے
 بٹھایا اور پھر خود بھی ان کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئیں تو یہ
 دونوں خواتین سبحان کی موجودگی میں یہ سب دیکھتے
 ہوئے شرم سے پانی پانی ہوئے لگیں۔

خود سبحان بھی ان کے انداز و اطوار کو گہری نظر سے
 دیکھ رہا تھا۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ نیو آج الگ

تھلگ اور خاصی بھیجی سی بیٹھی ہے۔ مہمانوں
 کی تواضع میں بھی یہی خاتون پیش پیش تھیں۔
 ”آپ کا نام کیا ہے؟“ ان کو ان تینوں افراد کے
 خوبصورت چہروں نے متاثر کیا تھا اور پوچھ وہ سبحان
 سے رہی تھیں۔ جواب میں اس نے نام بتا دیا۔
 ”کیا کرتے ہو؟“ اگلا سوال ہوا۔
 ”میں دن کے بعد دوپہر جا رہا ہوں وہیں جا رہے
 میری۔“ اس کے جھوٹ پر ایسی اور داوی تلملا کر رو
 گئیں۔
 اور اصرار خاتون نے ان کے حلیوں کو ذرا حیرت سے
 دیکھا بولیں کچھ نہیں۔
 احمد صاحب کے لیے سوپ لینے وہ باہر نکلیں تو
 سبحان بھی باہر آگیا اور بولا۔
 ”اس کپڑے کو ایک ذہین اور باوقار خاتون کی کس قدر
 ضرورت تھی۔ آج آپ کو دیکھا تو سکون ہوا۔
 الحمد للہ۔ وہ کی پوری ہو گئی ہے۔“
 اب کے خاتون بہت ہی محبت سے مسکرائیں اور
 بولیں۔

”تم ان کے رشتہ داروں میں سے پہلے ہو جس سے
 میں مل رہی ہوں ورنہ وہ تو ہر کسی سے یہ بات یوں
 چھپائے ہوئے ہیں جیسے کوئی گناہ کر بیٹھے ہوں۔“
 ”بزدلی ہیں۔“ سبحان نے آگے کو جھک کر
 رازداری کے عالم میں پردہ اٹھایا۔ انہوں نے اثبات
 میں سر ہلایا اور بولیں۔
 ”اور یہ ان کی بد مزاج بنی مجھے قبول ہی نہیں
 کیا پائی۔ جب سے آئی ہوں منہ پھلار کھا ہے۔“
 ”بھی ان میں باتیں ہو رہی تھیں کہ نیو چلی آئی اور
 انہیں یہاں دیکھ کر ملازموں کو پکارنے لگی۔
 ”دیکھا۔ اس طرح انسٹل کرتی ہے میری۔ خود
 سے بات بھی نہیں کرتی۔ ملازمتوں سے کہتی ہے ان
 سے کہو یہاں سے چلی جائیں۔“
 ”ہائے کتنی مظلوم ہیں آپ۔“
 ”خیر۔ ایسا بھی مت کہو نہیں تو احمد کی وجہ سے
 رعایت برت رہی ہوں ورنہ یہ چھو کری میری تو چنگلی

کی مار ہے۔“

”آپ رہتی کہاں ہیں۔ دوبارہ ملاقات کو جی چاہئے
 آگاہ ہے۔“
 ”آپ تو یہیں رہیں گی۔ آخر احمد نے نکاح کیا
 ہے۔ میں کیوں کسی سے ڈروں ڈٹ کر رہوں گی۔“
 ”کب کیا نکاح؟“ وہ یہی تو جاننے کی کوشش میں
 تھا۔
 ”دو ہفتے قبل۔“
 ”کہیں ان کے دل کے دورے کا سبب آپ تو
 نہیں۔“

نیو ملازموں کو پکار کر فوراً ہی واپس جا چکی تھی۔
 اس سوال پر خاتون نے اوپر اوپر دیکھا پھر فلک شگاف
 توجہ لگایا اور بولیں۔
 ”بھائی بوائے! تم مجھ سے ملنے ضرور آیا کرو تمہاری
 کہنی یقیناً مجھے اچھی لگے گی۔“

واپسی پر سبحان نے ایسی اور داوی کو اس خاتون کے
 بارے میں بتایا تھا جس نے اپنا نام واجدہ بتایا تھا۔ سن کر
 دونوں کو جھکا لگا۔

”احمد نے نکاح کیا ہے اس کے ساتھ اور خاندان
 میں کسی کو بتایا تک نہیں۔ کیوں؟ آخر چھپانے کی کیا
 وجہ ہے؟“
 ”مجھے یقین ہے نکاح تو انہوں نے کر لیا مگر فوراً
 بعد انہیں اپنی غلطی کا احساس بھی ہو گیا اسی لیے بتایا
 نہیں۔ وہ یقیناً اسے چھوڑنے کی کوشش میں ہیں جبکہ
 واجدہ بیگم ایسا نہیں چاہ رہی ہیں۔“

”تمہیں یہ سب کیسے پتا چلا؟“
 ”ان دونوں کے رویوں کو دیکھ کر۔ انکل تو واجدہ بیگم
 کو اپنے قریب دیکھ کر ہی کھچاؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔
 دوسری طرف وہ ہیں کہ چڑھتی ہی جاتی ہیں۔“
 ”ہائے بے چاری بچی نیو! کیسے الگ تھلگ دور دور
 رہی تھی۔ اگر مجھے وہیں بتا چل جاتا اس کے ساتھ یہ
 علم ہو رہا ہے تو اسے اپنے ساتھ ہی لے آئی۔“ داوی

باقاعدہ آبدیدہ تھیں۔

”جی ہاں! وہ تو سامان ہاندھے تیار تھی۔ آپ اشارہ
 کرتیں، جھٹ ساتھ ہویتی۔ اپنے دولت مند آیا اور
 ان کی دولت دونوں کو برے خیال کی طرح جھٹک
 دیتی۔“

”بے چاری مظلوم بچی! کیسی ہے۔“ ایسی اور داوی
 کے خیالات بالکل ایک سے تھے۔

”مجھے تو وہ واجدہ بیگم خاصی مہربان، رحم دل، خوش
 اخلاق خاتون محسوس ہوئی ہیں۔“ سبحان کے اس خیال
 کو دونوں نے شدت سے غلط قرار دے دیا۔

آنے والے دنوں میں ایسی اور داوی کا ایک ہی
 موضوع گفتگو رہا۔ ”مظلوم بچی اور ظالم سوتیلی ماں۔“
 حیان نے بھی یہ قصہ سن کر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ حالانکہ
 سبحان نے مشورہ دیا تھا۔

”جا کر ایک مرتبہ مل لو ہو سکتا ہے سوتیلی ماں نے
 تربیت پر بھی توجہ دے کر سرد حار دیا ہو۔“ مگر اس نے
 کوئی جواب نہیں دیا۔

ایسی اور داوی چند روز تک دوبارہ جانے کا پروگرام
 بنائے بیٹھی تھیں۔ ان ہی دنوں سبحان نے دعویٰ جانے
 کا دھماکہ کر دیا۔

”تم نے پہلے تو کوئی ذکر نہیں کیا۔ بیٹھے بٹھائے
 پروگرام بن گیا اور اتنے پیسے کہاں سے آئے؟“ دونوں
 مشکوک تھیں۔

”محترم خواتین! میرے اس پروگرام سے حیان
 واقف تھا۔ آپ لوگوں کو اس لیے نہیں بتایا کہ اگر نہ
 جاسکتا تو پھر خواب ٹوٹ جاتے۔ اب انشاء اللہ پرسوں
 روانگی ہے میری۔ فی الحال ادھار پکڑا ہے دوست
 سے۔ اسی کے چچا کے پاس جا رہا ہوں بہت مدد کی ہے
 میری۔ مجھے حق دوستی ادا کر دیا ہے۔“

”ہی! میں ہمایوں کو بھی بتاؤں۔“ سہارہ کی خوشی
 دیدنی تھی۔
 ”ہاں! شوبازی کا موقع ہاتھ سے نکل جائے یہ بھلا

برداشت کر سکتی ہو۔" حیان نے وہ بھٹہ جو وہ امی کے لیے لایا تھا اٹھا کر کھاتے ہوئے کہا۔

"تو شوبازی کی کیا بات ہے۔ اتنے عرصے کے بعد تو خوشی ملی ہے ہمیں۔"

"ابھی کسی کو مت بتانا، نظر لگ جاتی ہے۔" سامہ نے داوی کی نصیحت منہ بنا کر سنی مگر پھر بیٹھ گئی۔

"جی جی۔۔۔ تو بھی خوشی تو جانی رہی۔" حیان نے پھر چھیڑا۔

"امی! جب تک میں چلا نہ جاؤں، آپ نہ تو محلے میں اور نہ ہی رشتہ داروں میں ذکر کریں۔"

"ٹھیک کہتے ہو بیٹا! لوگ کسی کا بھلا ہوتا کہاں دیکھ سکتے ہیں۔"

بہت سے خواب بہت سی امیدیں تنہا کرواؤں کی چھاؤں میں سجان چلا گیا۔

گھر میں اواسی تھی۔ داوی کی آنکھیں بار بار بھیگ جاتیں، وہ یاد کرتی تھیں۔

"بیشہ کہتا تھا، ایک روز اس گھر کو بدل دوں گا، تم لوگ بھی بہت پیسے والے ہو جاؤ گے اور میں بیشہ

ڈانٹ دیتی تھی مگر وہ کتنا کیا تھا اپنی دھن کا۔ میرا مالک پردیس میں اس کی حفاظت کرے ہمارے سکھوں کے لیے گھر سے بے گھر ہو گیا ہے۔"

اور امی کو رہ رہ کر اس کا بچپن، اس کا لڑکپن اور فوجوانی یاد آ رہی تھی۔ اس کی شرارتیں، اس کی باتیں،

بہسی۔

"میرا لال کتنی دور چلا گیا، پتا نہیں زندگی کتنی باقی ہے۔ میں اب اسے دیکھ بھی سکوں گی یا نہیں۔" بار بار

آنکھیں بھیگ جاتیں۔ وہ سب سے چھپا کر یہ آنسو روپے کے پوتوں میں سمیٹ لیتیں۔

سامہ اس اپنے کمرے میں بیٹھی تھی، حیان صبح ہی کہیں باہر نکل گیا تھا۔

داوی نے اپنے لیے نوٹ لیا، پھر تیسرے دن فون آیا تھا۔ جانب شروع کر دی تھی۔ وہ خاصا مطمئن اور

خوش تھا۔ نوٹوں میں خبر ہوئی پھر سامہ کے لیے فون چلی۔ ہر کوئی مبارکباد دیتے کے بہانے آیا اور یہ پتا

کرنے کی کوشش کرتا رہا، آخر سجان پہنچا کس طرح اور کتنی تنخواہ لگی ہے۔

"نی الحال چھ ماہ کے ویزے پر گیا ہے۔" حیان نے بتایا۔ یہ سن کر کسی کو اطمینان ہوا اور کوئی بولا۔

"اچھا اچھا مگر ویزنگ ویزے پر جا کر کوئی وہاں رہ نہیں سکتا۔ میرا پتا جیسا خوار ہو کر واپس آیا تھا۔"

اطلائے رشتہ داروں تک بھی پہنچ گئی، آخر شربت نے اعتراض کیا۔

"اتنی قریبی رشتہ داری، ملے بغیر چلا گیا۔ ہمارا تو وہاں فلاں واقف کار، فلاں رشتہ دار رہتا ہے۔ جتا کر

جاتا اپنا ہی بھلا ہو جاتا۔"

ویسے کچھ بھی تھا، ایک بات تھی۔ یہ گھرانہ ملنے ملائے والوں میں اچانک ہی معتبر ہو گیا تھا۔ ایک ماہ بعد

سجان نے اتنی رقم بھیجی کہ امی، داوی اور سامہ بے یقین سی ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔

"امی! ہم بھلا اتنے سارے پیسوں کا کیا کریں گے۔" خوشی سے بے قابو سامہ پوچھ رہی تھی۔

"میری تو اپنی سمجھ میں نہیں آ رہا، حیان سے پوچھ لو۔"

"اے بچو! روپیہ جتنا بھی ہو، زیادہ نہیں ہوا کرتا۔ سب سے پہلے تو مکان کی مرمت کرواؤں گے۔ موسم

بدل رہا ہے، دو تین ماہ بعد سخت سردی پڑنے لگے گی۔ اس سے پہلے پہلے کیڑ لگ جانا چاہیے ورنہ وضو کرنا

بڑا مشکل لگتا ہے۔"

"داوی! ہم بڑا سا گیٹ لگوا دیں گے۔"

"ضرور پکی! اللہ سجان کو بہت خوشیوں سے نوازے۔"

"ہم کیا سوچ رہے ہو حیان؟"

"سوچ رہا ہوں امی جان کہ ابھی سے سوٹ اور مہنگے والے جوتے خریدوں۔ ایک عدد قیمتی گھڑی بھی کلائی پر لازمی ہے اور اس کے بعد رشتہ داروں کے گھروں کا ایک چکر لگا کر آؤں۔"

"چلو، شو بھی۔ شوبازی غور سے سمجھ لیا یہ اچھی چیز ہے۔"

"نہیں دادی! میں کوئی شوبازی کے لیے تھوڑا ہی ہاؤس گا۔ میں تو بس ان قریبی عزیزوں کا رویہ دیکھنا

چاہتا ہوں۔"

"تم سے بحث ہی بے کار ہے، جو مل میں آئے۔"

اور اس نے اسی روز شاپنگ کی ٹھان لی۔ سامہ بھی ساتھ چلی گئی اور دونوں نے اپنی پسند کی بہت سی شاپنگ

راڈ والی، والیسی پر چائنیز ریستورنٹ سے کھانا بھی کھایا اور امی، داوی کے لیے دسی کھانا یعنی بروسٹ، سٹخ

کباب اور نان پیک کروا کر لائے۔

"سٹخ پتا چلا، زندگی کتنی خوبصورت ہے۔" سامہ بے حد خوش تھی۔

"دعا میں دو بھائی کو اور میرا نام بھی شامل کر لو کیونکہ میرے ارادے بہت اونچے ہیں۔"

"کیا آپ بھی چلے جاؤ گے۔ میں تو سجان بھائی کے جانے سے اتنی اواسی ہوں، آپ چلے جائیں گے پھر تو

زندگی میں کچھ بھی نہیں رہ جائے گا۔"

"نہیں، میرا ارادہ ہمیں پاکستان میں رہ کر برنس کرنے کا ہے۔ چھوٹے پیمانے پر شروع کروں گا اور

مجھے اپنی صلاحیتوں پر پورا بھروسہ ہے۔ تم لوگوں کی دعاؤں سے بہت جلد کامیاب ہو جاؤں گا پھر بھائی کو بھی

ادھر ہی بلوالوں گا۔"

امی کی خالہ زاد بہن کے بیٹے کی شادی کا کارڈ آیا تھا۔ اس مرتبہ تو خالہ زاد بہن خود کارڈ لے کر آئی

تھیں۔ ان کی پانچ صاحبزادیوں میں سے بڑی دو ساتھ تھیں مگر گھر کی وہی حالت دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی۔

"ہم نے تو سنا تھا سجان اب امریکہ بھیج چکا ہے اور بہت پیسے بھیج رہا ہے۔"

"ہاں خالہ! آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے۔ بھائی واقعی بہت پیسہ بھیج رہا ہے لیکن ہمیں برنس اشارت کرنا ہے، اس لیے ادھر ادھر ضائع نہیں کر رہے۔"

آج تو حیان نے بڑی متانت سے جواب دیا تھا۔

"سچ کہتی ہوں باجی! میں تو آپ کے لڑکوں کی بیشہ تعریف کرتی رہی ہوں۔ کتنی غروت تھی آپ کے گھر

میں مگر دونوں بچوں نے محنت بھی کی، تعلیم بھی حاصل کی۔ خاندان میں دولت تو ہے مگر آپ کے لڑکوں جتنا

لائق اور کوئی لڑکا نہیں۔ دونوں نے اخلا تعلیم حاصل کی ہے۔ سجان کو امریکہ میں نوکری بھی اسی حساب سے

ملی ہوگی۔"

"وہ وہاں جا کر بھی ساتھ میں کوئی کورس کر رہا ہے۔" داوی نے فخر سے اطلاع دی۔

"ماشاء اللہ۔" ان کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی بولیں۔

"میرے بچوں کو بھی پڑھنے کا بڑا شوق ہے۔ خاص کر یہ دونوں لڑکیاں۔ بہت اچھا پڑھ رہی ہیں اور کتنی

ہیں، کاش کوئی وسیلہ بن جائے۔ باہر جا کر بھی پڑھ سکیں۔ اکیلی لڑکیوں کو تو بھیجتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔

یہی سوچتی ہوں، باہر کے رشتے مل جائیں پھر وہاں جا کر اپنے شوق بھی پورے کر لیں گی۔"

امی مسکرا دیں۔ جواب میں کچھ نہیں کہا جبکہ سامہ کو ان کی چالاکی پر سخت غصہ آیا تھا۔ یہی، ہمیں آج

سے پہلے کبھی سامہ کو ملنے کی روادار نہیں تھیں اور آج کیسے دوستی کے موڈ میں تھیں۔ مسکرا کر باتیں

کر رہی تھیں، بار بار پاس بلا تیں۔ وہ اسے متاثر نہ لگیں۔

"اور تم سناؤ، ان کے آپا کی ملازمت تو ٹھیک جاری ہے؟" داوی نے ان کے مشہور زمانہ رشوت خور

شوہر کے بارے میں دریافت کیا۔

بولیں۔ "اللہ کا کرم ہے، ملازمت ٹھیک جاری ہے۔ بیٹے کی شادی کے بعد ہم لوگ اپنا تیسرا مکان

شروع کرنے والے ہیں۔ زمین تو پچھلے سال لے لی تھی، بس پھر شادی کی مصروفیت شروع ہو گئی۔ اس

طرف دھیان نہیں دے سکے۔"

"اچھا، دو مکان پہلے بھی ہیں تمہارے؟" داوی نے دلچسپی سے پوچھا جبکہ حیان کو ان کے تجتس پر جھنجھلاہٹ ہو رہی تھی۔

”ہاں جی! اچھی خاصی کوٹھیاں ہیں ہماری۔ ایک میں رہ رہے ہیں، دوسری کرائے پر ہے“ تیسری بھی کرائے پر چڑھا دیں گے۔“

وہ خاصی دیر بیٹھی رہیں۔ یہ وہی گھر تھا جس کے دروازے پر انا عام سا فریجیئر رشتہ داروں کو کوفت میں بٹلا کرتا تھا۔ وہ یہاں آنے کے بھی دروازہ نہیں تھے مگر آج انہیں کچھ بھی برا نہیں لگ رہا تھا۔

اور اس مرتبہ شادی میں شرکت بھی ایک نیا تجربہ تھا۔ قیمتی لباس کے ساتھ ساتھ امی نے ہلکا سا گولڈ کا سیٹ پہن رکھا تھا۔ سامہ پارٹی میک اپ ہوئی پارٹ سے کروا کر آئی تھی جس پر امی اور دادی نے اچھا خاصا ڈانٹا تھا۔ حیان کو بھی اچھا تو نہیں لگا مگر خاموش رہا۔ ڈانٹا تو نہیں اتنے بدلے ہوئے جیسے پر مذاق ضرور اڑایا مگر وہ مطمئن تھی اور ان سب نے بڑے اعتماد سے مندی کی تقریب میں شرکت کی۔ ایسی تقریب میں حیان اور سبحان کی ضرورت تو ہمیشہ رہا کرتی تھی مگر آج اندازہ جدا تھا۔

”ارے محفل کی رونق تو اب دوبالا ہوگی۔“ کسی نے دیکھ کر غور کیا تھا۔

”آئیے آئیے کب سے انتظار کر رہے ہیں۔“

”جگہ چھوڑو یہاں حیان بیٹھے گا۔“

”ارے اماں جان! تھمرے، میں آپ کے لیے بیس کرسی منگوا دیتی ہوں۔ سامہ بیٹا، کھڑی کیوں ہو، جاؤ اور ہر بنوں کے پاس جا کر بیٹھو۔“

”واہ ری دنیا! واہ رے زمانے۔“ حیان نے یہی سوچتے ہوئے محفل پر نگاہ ڈالی تھی اور پھر وہ نظر پٹنی نہیں۔ نیو پر ہی رک گئی۔ پہلے ہی کی طرح قیمتی لباس میں خوبصورت سی جیولری پہنے سیاہ چمک دار ہالوں کو شانوں پر بکھرائے ہوئے ”مگر وہ آج پہلے سے اتنی مختلف کیوں دکھائی دیتی ہے۔ آج اس کے چہرے سے

کیفیت کا شکار محسوس ہوئے جبکہ ان کے قریب ایک خاتون زرق برق لباس پہنے دانٹوں کی نمائش کرتے ان دونوں سے بالکل الٹ دکھائی دے رہی تھیں۔

”ارے یہ تو احمد ہے۔ آنا ہو! ذرا حال احوال ہی پوچھ لیں۔ اس روز کے بعد ہم تو جانی نہیں سکے۔“ دادی کریم کلر کے سلک سوٹ میں خود کو بڑا برابرا پر اپنا محسوس کر رہی تھیں اور پارٹی سوٹ پر ہاتھ پھیر کر اس کی ملائمت سے محظوظ ہوتی تھیں۔

وہ دونوں اور ان کے ساتھ سامہ بھی مزاج پر سی کو آگے بڑھ گئیں مگر حیان یہیں بیٹھ گیا۔ اس روز نیو نے جو سلوک کیا اسے کسی طرح نہیں بھولتا تھا۔

”او حیان! ادھر آؤ نا۔“ ڈھولک کے گرو گھیرا ڈالے بیٹھا گروپ اسے آوازیں دینے لگا۔

”نہیں شکریہ۔ میں ٹھیک ہوں۔“

”تم ٹھیک ہو، ہم تو ٹھیک نہیں ہیں۔ ابھی لڑکی والے مندی لے کر آتے ہی ہوں گے۔ جلدی آجاؤ۔“

”نہیں بھئی! وہ سب کچھ سبحان بھائی کے ساتھ مل کر تھا“ اب وہ موجود نہیں ہیں۔ اکیلا میں کچھ نہیں کر سکتا۔“ اور یہ ٹھیک بھی تھا، وہ سب تو دونوں بھائی مل کر کیا کرتے تھے۔ محفل کی پروا نہیں ہوتی، بھو بھی کرتے بس اپنی انجوائے منٹ کی خاطر کرتے مگر سبحان کے بغیر اسے یہ سب اپنے بس کی بات نہیں لگ رہی تھی۔ وہ اکیلا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

امی اشارے سے بلارہی تھیں۔ وہ سیٹ چھوڑ کر چلا آیا۔

”احمد بھائی تمہارا پوچھ رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں مجھے شکریہ ادا کرنا ہے۔ ہا پینل میں ساری رات گزار دی اور پھر ملے بغیر ہی چلا گیا۔“

”شکریہ کس بات کا انکل! رشتہ داری میں اتنا حق تو ہوتا ہے۔ میں کسی لالچ کی بنا پر تو نہیں رکا تھا۔“ اس نے نیو کی جانب دیکھے بغیر بات اسے جتائی تھی۔

”یہ سبحان کا بھائی ہے نا۔ کتنی شکل ملتی ہے دونوں بھائیوں کی۔ بس سبحان ذرا شہ رخ اور دوستانہ مزاج والا

ہے۔ یہ مجھے شہیدہ دکھائی دے رہا ہے۔“ واجدہ انکس دیکھ کر مسکرا کر کہہ رہی تھیں۔

”شکریہ“ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں خاتون! آپ کے اس طرح کہنے سے مجھے کتنی خوشی ہوئی، سچ زندگی میں ملنے والی وہ واحد ہستی آپ ہی تو ہیں جنہوں نے میرے مزاج کو پہچانا ہے۔ ویسے آپ کی تعریف ہے؟“

”جانتا میں جی انہیں۔“ خاتون نے خاصا مردانہ قسم کا قہقہہ لگا کر احمد صاحب سے کہا تھا۔

”میری دانف ہیں۔“ وہ اتنا ہی دھیرے سے گویا ہوئے۔

”ارے رے آنٹی! آپ سے ملنے کو تو میں بے تاب تھا۔ سبحان نے بڑی تعریف کی تھی اور سچ ہے بیسنا تھا ویسا ہی پایا۔“

وہ ماں اور دادی کی آنکھوں میں خاتون کے لیے سرو مری اور بیزاری محسوس کیے بغیر خوشی کا بھرپور اظہار کر رہا تھا۔

”اچھا۔ سبحان نے میرا ذکر کیا تھا“ اب جب بھی اس کا فون آئے ”میرا سلام کسنا“ دو جی ہوتا ہے ناں وہ؟“

”نہیں جی۔ اب تو امریکا۔ والوں کی مسمان نوازی کا لطف اٹھا رہا ہے۔“

”اچھا ویری گڈ۔ مجھے بھی نمبر دینا۔ میں خود کال کروں گی۔“

”کیوں نہیں آنٹی! مخلص لوگوں کی تو ہم بڑی قدر کرتے ہیں سچ ہے آج کل خلوص ہی کی تو کمی ہے دنیا میں۔“

ذرا سی دیر میں وہ یوں گھل مل کر باتیں کر رہے تھے جیسے بچپن کے ساتھ رہے ہوں، خاتون کو قہقہے لگانے کی عادت تھی اور قہقہے بھی ایسے کہ دور نزدیک موجود ہر انس چونک کر ادھر متوجہ ہو جاتا۔ امی اور دادی یوں سب کے ان کی جانب دیکھنے پر شرمندہ ہو رہی تھیں۔

کیونکہ واجدہ خاتون کو خاندان والوں نے کچھ اچھی نظر سے نہیں دیکھا تھا۔

”یہ لڑکا کبھی نہیں سدھر سکتا“ آج اتنے عرصے کے بعد قسمت نے موقع دیا تھا کہ ہم بھی رشتہ داروں کے لیے اہم ہو رہے تھے مگر اس نے پھر شرمندہ کروا کر رکھ دیا۔“

امی اور دادی نیو سے ہمدردی اور محبت جتا رہی تھیں۔ اسے اپنے قریب ہی بٹھالیا تھا۔ بے چاری سوتیلی ماں کے مظالم کا شکار معصوم بچی، وہ دونوں اس کے لیے ایسے ہی جذبات رکھتی تھیں اور ادھر صاحبزادہ سوتیلی والدہ کا سچا اور بکا خیر خواہ دکھائی دیتا تھا۔

”بیٹی! تم ٹھیک تو ہو ناں۔ آج بڑی چپ چاپ لگ رہی ہو؟“

”بس آنٹی! کیا بتاؤں۔ ابو کی بیماری نے پریشان کر رکھا ہے۔“ وہ دوسری پریشانی کا ذکر گول کر گئی۔

”اللہ تعالیٰ احمد کو صحت دے اور تمہیں جلد ہی اپنے گھریلو کارے۔“ دادی نے پورے خلوص کے ساتھ دعا دی۔ وہ چپ رہی۔ شاید دل میں آئین کہا بھی ہو۔

”سامہ! ادھر کہاں بیٹھی ہو۔ ادھر آکر بسن کے پاس بیٹھو۔“ امی نے سامہ کو بھی اس کے برابر لا بٹھایا اور نیو کے الفاظ یا چہرے کے تاثرات اس بات کے خلاف نہیں تھے۔ وہ سامہ کی باتوں کا جواب پوری توجہ اور سنجیدگی سے دیتی رہی اور اس نے سامہ کے لاکٹ کی تعریف بھی کی۔

واپسی پر دادی نے نیو کو اپنا فون نمبر دے کر چپکے سے کہا۔ وہ کسی بھی وقت مدد کے لیے پکار سکتی ہے۔

”مجھے تمہاری سوتیلی ماں بڑی چالاک عورت لگتی ہے۔“ نیو بس انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

واپسی پر حیان نے بتایا۔ واجدہ خاتون انتہائی منکار اور کچھ ایسی خاتون ہیں کہ الفاظ زبان پر لانے مناسب نہیں۔ یقیناً انہوں نے انکل احمد کو کسی مقصد کی خاطر الٹا بنایا ہے اور وہ عنقریب کوئی دھماکہ کر سکتی ہیں۔

بتا رہی تھیں۔ انکل سے ان کا نکاح ایک سال پہلے ہوا تھا۔ وہ اس شادی کو منظر عام پر لانے سے خائف تھے۔

واجدہ بیگم کو ایک فلیٹ بے کر دیا تھا۔ پھر جب انکل کو

ہارٹ ایک ہوا جو یقیناً "واحدہ بیگم کی وجہ سے ہی ہوا تھا۔ تب یہ پس پردہ نہیں رہ سکیں اور سامنے آ گئیں" اب اسی گھر میں انگل اور نیو کے ساتھ رہتی ہیں۔

"اتنا سمجھ دار ہو کر بھی پھنس گئے، احمد بھائی حالانکہ اس عورت میں کچھ بھی نہیں ہے۔" امی کو حیرت اور افسوس ایک ساتھ تھا۔ داوی کو نیو کی فکر تھی۔

"بے چاری بچی سوکھ کر کاٹا ہو رہی ہے۔ پتا نہیں کچھ کھانے کو بھی دیتی ہے۔ یا نہیں۔"

"نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو آج کی تقریب میں نیو ڈٹ کر کھاتی، جب کہ اس نے ایک کباب تھوڑے سا اور دو اسکوپ آؤس کریم کے علاوہ کچھ نہیں لیا۔"

"ہاں! تم کیا اسے ہی دیکھتے رہے تھے۔" داوی نے سخت نوٹس لیا۔

"جی ہاں واقعات کی تہہ تک پہنچنے کے لیے یہ ضروری تھا۔" وہ کہاں چوکنے والا تھا۔

اگلے روز وہ پہلے سے بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ تیار ہوا تھا۔ اور وہاں پہنچ کر اس کی نگاہیں نیو کی ہی تلاش میں تھیں، وہ آدھ گھنٹہ لیٹ پہنچی اور یہ آدھ گھنٹہ اس نے خاصی مصیبت اور جھنجھلاہٹ میں گزارا۔ حیرت ہوئی جب وہ آتے ہی سیدھی ان لوگوں کے پاس آئی اور تینوں سے بڑی اپنائیت سے ملنے کے بعد اس نے حیان کو بالکل نظر انداز کر دیا۔

"السلام علیکم!" اسے خود بڑھ کر سلام کرنا پڑا۔

"آج واحدہ صاحبہ نہیں آئیں۔" اس نے کٹ دار انداز میں جتایا۔

"ہائے کیوں؟" حیان نے شدید دکھ کا اظہار کیا۔

"مجھے کیا پتا کیوں۔ آپ فون کر کے پوچھ لیجئے۔"

اسے یقیناً "کل اس کے واحدہ کے ساتھ گھل مل جانے پر اعتراض تھا۔"

"فون کریں میرے دشمن مجھے ان سے کیا لینا رہنا۔"

"اچھا۔ کل تو ساری تقریب کے دوران آپ ان ہی سے چپکے رہے اور وہ بھی فرماتی ہیں ساری فیملی میں

یہ دو بھائی ہی مجھے پسند آئے ہیں۔"

"آپ اتنا خفا کیوں ہو رہی ہیں؟" حیان نے ہنس کر جتانے کے انداز میں پوچھا۔

"اس لیے کہ آپ انہیں نہیں جانتے، میرے ابو کو اس قدر پریشان کر رکھا ہے۔ وہ بہت سست اور کھوئے کھوئے سے رہتے ہیں۔ بزنس پر ان کی توجہ صفر ہو گئی ہے، پتا نہیں سارا سارا دن کیا سوچ کر پریشان ہوتے رہتے ہیں۔"

"یہ جو کچھ آپ آج بتا رہی ہیں، میں نے تو ان خاتون سے ملتے ہی اندازہ لگا لیا تھا۔ اس تلاش کی عورتیں جو بھی کرتی ہیں۔ پیسے کے لیے کرتی ہیں۔ وہ نہ تو خوبصورت ہے اور نہ ہی تنگ اور اسمارٹ یقیناً"

اس کے ہاتھ انکل کی دکھتی رگ ہے جس کی وجہ سے وہ اس کے سامنے مجبور ہو رہے ہیں۔"

اب کے نیو نے قطعی بدلے تاثرات کے ساتھ چونک کر اسے دیکھا اور بلا توقف بولی۔

"کیا آپ ہماری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں، میں ضرور ہیلپ کروں گا، اگر آپ مجھے فیس ادا نہ کرنے کا وعدہ کریں۔"

"آپ تو شرمندہ کر رہے ہیں۔"

"میں نیو! غریب آدمی کی نظر صرف پیسے پر ہی نہیں ہوتی۔ وہ ایک خلوص بھرا دل بھی رکھتا ہے۔"

"آئندہ یہ بات یاد رکھیے گا۔"

"سوری، مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے۔" وہ واقعی شرمندہ تھی۔

"چلیے اس مرتبہ معاف کیا۔"

"آپ واقعی ہماری ہیلپ کریں گے؟" وہ بے یقینی تھی۔

حنیان نے کہا کچھ نہیں، بھرپور عقلی کے عالم میں اسے دیکھا۔

"اوہ آئی ایم سوری۔"

"اگر آپ بولنے سے پہلے عقل استعمال فرمایا کریں تو بار بار معافیاں تلافیاں کر کے نیچا نہ ہونگا۔"

خیر نہایت فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میں

ایک مرتبہ پھر محافل کرتا ہوں۔ یہ بتائیے کہ آپ کے محترم والد صاحب کا اپنی بیگم جان کے ساتھ رویہ کیسا ہے؟

”بہت کھنچا کھنچا، مجھے یقین ہے۔ پیلا سے پسند نہیں کرتے، بس انہیں کوئی مجبوری ہے۔ جو اس کے خلاف قدم نہیں اٹھایا ہے۔“

”اگر ایسا ہے تو کیوں نہ میں انکل کو اپنی وفاداری کا یقین دلا کر حقیقت انکلوئے کی کوشش کروں۔“

”جی ہاں، شاید آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔ کوشش کر دیجیے۔“

آنے والے دنوں میں حیان باقاعدگی سے احمد انکل سے ملنے کے لیے جانے لگا۔ وہ کسی ایسی بیماری میں مبتلا تھے جسے ڈاکٹر خواجہ کا وہم قرار دے کر علاج سے معذوری ظاہر کر چکے تھے۔ مگر انکل کو دیکھ کر نہیں لگا تھا کہ وہ صحت مند ہیں، پہلے سے کہیں زیادہ کمزور تو وہ ہوئے ہی تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ست اور مایوس بھی دکھائی دیتے تھے۔ زندگی سے دلچسپی ختم ہوئی جا رہی تھی۔ وہ آفس بھی نہیں جا رہے تھے اور زرا زرا سی بات پر شدید جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ بھی کرتے تھے۔ حیان کے اپنا بیت بھرے روپے نے انہیں کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور پانچ دن بعد وہ کہہ رہے تھے۔

”تم واقعی بہت ذہین اور نیک دل نوجوان ہو۔ عمر میں تو میرے لیے بیٹے کی طرح ہو، مگر تم سے دوستی کرنے کو دل چاہتا ہے۔“

”انکل! پتا نہیں کیا بات ہے کہ میری دوستی ہمیشہ اپنی عمر کے لوگوں سے کم اور بڑی عمر والوں سے زیادہ رہی ہے اور آپ سے دوستی کر کے تو میں خود بھی بہت اچھا محسوس کروں گا۔ آپ مجھے ہمیشہ سے بہت اچھے لگتے ہیں۔ کس قدر سو پر نور باوقار پر سنائی ہے آپ کی۔“

وہ ان کی خدمت بھی کرنا باتیں بھی بکھارنا۔

دوسری طرف واجدہ خاتون سے بھی بہت دوستی ہو چکی تھی۔ احمد صاحب تو کمرے سے باہر نکلتے ہی نہیں تھے۔ وہ ان سے گپ شپ لڑا کر باہر نکلتا اور واجدہ کے آگے پیچھے رہتا، جب کہ بظاہر نیو کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔ مگر رات کو دس بجے کے بعد وہ فون پر ساری رپورٹ اسے دیا کرتا تھا۔

آخر ایک روز اندر کے شور اور خوف سے گھبرا کر احمد صاحب نے ایسا راز حیان کو دے دیا جس کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

واجدہ کو دیکھ کر اندازہ تو ہوتا تھا کہ وہ کسی اچھے گھرانے سے ہو ہی نہیں سکتی۔ مگر وہ ایسی عورت ہوگی جس کا کردار صرف فلموں اور کتابوں میں نظر سے گزرا تھا اس بارے میں کہاں سوچا تھا۔

اس رات احمد صاحب کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی تھی، انہوں نے اپنے گھر سے بلوایا تھا۔ واجدہ گھر پر دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ جب کہ نیو اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ احمد صاحب اچھے خاصے سرمد موسم میں بھی پسینے میں نہائے ہوئے تھے اور انہیں سانس لینے میں دقت کا سامنا تھا۔

”آپ کسی ملازم کو بلا لیتے۔ نیو کو ہی جگا لیتے۔ اس حالت میں اکیلے لیٹے ہوئے ہیں۔“

”مجھے تمہارا انتظار تھا حیان! آج مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔ یوں سمجھو، اک راز میں شریک کرنا ہے۔ اللہ کے لیے میری سچائی پر یقین کر لینا اور میرے اس راز کو راز رکھنا۔“

”آپ مجھ پر ہر طرح سے بھروسہ کر سکتے ہیں۔“ وہ بڑی اطمینان سے ان کے قریب بیڈ پر بیٹھ گیا اور ان کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر سملانے لگا۔

”تم جانتے ہو۔ نیو کی والدہ عرصہ ہوا فوت ہو گئی تھیں، پھر میں نے دوسری شادی کی، مگر وہ عورت اتنی بری بیوی ثابت ہوئی کہ میں نے شادی کے ہام سے ہی توبہ کر لیا۔ چند ماہ کے بعد ہی ہم دونوں میں علیحدگی ہو گئی تھی۔ میری ساری توجہ بڑے بڑے بزنس اور بیٹی پر تھی۔ تقریباً سوا سال پہلے مجھے اپنی گاڑی فروخت کرنا

پڑا۔ ڈیلر سے بات کی اس نے اخبار میں اشتہار دے دیا اور ایک روز ایک عورت میرے آفس میں مجھ سے ملنے چلی آئی۔ وہ چہرے مہرے سے کوئی بہت زیادہ نہیں تھی۔ مگر انداز گفتگو بے حد متاثر کن تھا۔ وہ کچھ دیر میرے آفس میں بیٹھی۔ گاڑی دیکھی، پسند کر لی اور مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے اس کے گھر تک ڈراپ کر دوں۔ کیونکہ آج کل وہ ذاتی داری سے محروم ہے۔

میں نے فوراً ”ہائی بھری“ اسے گھر تک ڈراپ کیا۔ وہ بہت شکر گزار تھی اس نے اصرار کیا کہ میں اندر آکر چائے کا ایک کپ ضرور پیوں اور اس کی والدہ سے بھی ملتا جاؤں۔ اچھے لوگوں سے کون نہیں ملنا چاہتا۔ میں اندر چلا آیا۔ عورت مجھے اپنی والدہ کے پاس بٹھا کر چائے بنانے چلی گئی۔ چائے کا ذائقہ مجھے تھوڑا سا تکلف محسوس ہوا۔ مگر میں نے زیادہ دھیان نہیں دیا۔ اب مجھے ہوش آیا تو رات کے بارہ بج رہے تھے۔

میرے اطراف میں خاتون اور اس کی والدہ کے علاوہ دوسرے سرمد بھی موجود تھے اور میں جس حالت میں تھا وہ ناقابل بیان ہے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ میری نیم بے پوشی بلکہ مدہوشی (چائے میں نشہ آور دوا کی آمیزش تھی) سے فائدہ اٹھا کر مدوی بنائی گئی ہے۔ اور مجھے وہ مدوی کھائی بھی گئی، میں نے ہاتھ جوڑے مگر گڑا کر کہا کہ تم جتنی رقم چاہو لے لو۔ مگر یہ مدوی مجھے دے دو۔

انہوں نے خاصی بڑی رقم کا مطالبہ کر دیا۔ میں نے پھر اپنی بحث نہیں کی۔ ہائی بھری اور شکستہ قدموں کا پتہ دل کے ساتھ وہاں سے چلا آیا۔ اگلے روز وہی عورت بس کا نام واجدہ تھا۔ میرے آفس میں موجود تھی۔ اسے دیکھ کر میرا دل گھبراہٹ اور بے چینی کا شکار ہونے لگا۔

اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس سے ڈروں نہیں، اور یہ بھی کہ وہ بھی میری طرح مظلوم اور مصیبت زدہ ہے۔ اسے بھی اس گروہ نے اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر بلک میل کیا ہے۔ میں اس کی کہانی سے شاید اس لیے بھی زیادہ متاثر ہو گیا کہ وہ بھی بالکل میری ہی

طرح حالات کی ستائی ہوئی تھی۔ وہ میرے ساتھ ساتھ رہی، رات کو ہم نے کھانا بھی اکٹھے کھایا۔ اور میں نے صرف اس کی وجہ سے کھایا۔ ورنہ میری بھوک پیاس سب مرچکی تھی۔ بار بار یہی خیال ذہن میں گردش کرتا تھا اگر انہوں نے یہ سب میرے کسی بھی جاننے والے کو دکھایا تو کیا ہوگا۔ مگر واجدہ میری بہت بندھالی رہی اور اس نے مجھ سے کہا۔

”آپ تو خوش قسمت ہو، رقم دے کر معاملہ ہمیشہ کے لیے ختم کر لو گے، مگر میں غریب عورت ہوں اور اس دلدل میں پھنس جانے کے سوا میرا کوئی انجام نہیں۔“

میں نے ان لوگوں کو رقم ادا کر دی اور مصیبت سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا پایا۔ واجدہ برابر مجھ سے ملتی رہی۔ اس کی مظلومیت پر ترس کھا کر میں نے اس کے حصے کی بھی رقم ادا کر دی۔ اور بعد میں اس کی درخواست پر اس سے نکاح کر لیا۔

مگر نکاح کے بعد مجھے اندازہ ہوا۔ میں تو ایک کے بعد دوسرے جال میں پھنس گیا ہوں۔ واجدہ ہرگز کوئی مظلوم عورت نہیں ہے۔ اب مجھے یہ اندازہ نہیں ہے کہ یہ اس گروہ کی باقاعدہ رکن ہے یا معاوضے پر کام کیا تھا۔ مگر یہ تو یقین ہے کہ وہ غلط کردار کی عورت ہے اور اس نے مجھ سے شادی صرف پیسے اٹھانے کے لیے کی ہے۔ مجھے اپنی بیٹی کی فخر راتوں کو سونے نہیں دیتی، میں جیسے والا ضرور ہوں مگر شریف آدمی ہوں۔ اس قسم کے لوگوں سے میرا پہلی بار واسطہ پڑا ہے۔“

یہ سب کچھ ایسا تھا کہ کچھ دیر کے لیے تو حیان کے حواس ہی معطل ہو گئے۔ وہ انہیں کوئی مشورہ دے ہی نہیں سکا۔ مگر یہ نسلی ضرور دے آیا کہ میں ضرور کچھ نہ کچھ کروں گا۔“

اس رات وہ سو نہیں سکا۔ اس معاملے کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتا رہا، صبح ناشتے کے بعد وہ پھر نیو کے ہاں موجود تھا۔ ملاقات سب سے پہلے واجدہ سے ہی ہوئی۔

”تم اتنی صبح؟“ وہ اس وقت شدید اور لمبوں پانی میں

عمل کرنے کے بعد اس میں برف کی کیوب ڈال رہی تھی۔

”جو میں کہوں اس پر یقین کرو گی۔“ وہ آکر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

”ہاں بالکل۔“ وہ مسکرائی تھی۔

”مجھے تمہارے خیال نے سونے نہیں دیا۔“

”کیا مطلب؟ مذاق اچھا کر لیتے ہو؟“ پہلے وہ چونکی پھر سنبھلی۔

”کبھی تمہیں کسی نے بتایا نہیں۔ تم میں کتنی کشش ہے۔“

اب کے وہ متوجہ ہوئی تو پھر کسی اور طرف نہیں دیکھ سکی۔

”محبت کی نہیں جاتی۔ ہو جایا کرتی ہے یہ لوگ کہتے ہیں لیکن میرا خیال ہے محبت خواہ مخواہ نہیں ہو سکتی مقابل کی شخصیت میں کوئی ایسی بات ہوتی ہے جو چونکے پر مجبور کر دیتی ہے۔“

”اچھا۔ مجھ میں بھی ایسی کوئی بات ہے۔“ بڑی ادا سے سوال کیا گیا تھا۔

”میں نے کچھ نہیں دیکھا صرف تمہیں دیکھا ہے اور یہ دیکھا ہے کہ تم بھی میری طرح خوش باش زندہ دل ہو۔“

”ہاں۔ میں زندہ دل ہوں اور مجھے زندہ دل لوگ اچھے لگتے ہیں۔ خاص کر مرد۔“

”تو پھر اس مرد دل بابے سے بیاہ کیوں رچا بیٹھیں؟“

”مجبور ہو گئی تھی پیچھا ہی لے لیا تھا ان صاحب نے۔“

”حالانکہ ایسے کنگال بابے کو تو اس عمر میں مصلیٰ سنبھال لینا چاہیے۔“

”کنگال؟“ وہ یہ سوال کرنے سے کیسے باز رہ سکتی تھی۔

”ہاں۔ تمہیں شاید بتایا نہیں انہوں نے جذبات میں آکر چاند او بیٹے کے نام لکھ چکے ہیں۔ نیو کی والدہ کی وفات کے بعد انہوں نے ایک قبائلی خاتون سے

شادی کی تھی بڑا ستایا اس عورت نے۔ پھر قبیلہ ایسا خونخوار یہ چاہنے کے باوجود طلاق نہیں دے سکے۔ پھر بیٹا بھی ہو گیا تھا۔ تو اپنی انھیال میں ہے، کبھی کبھار ملنے آیا کرتا ہے۔ بہت عزیز ہے وہ انکل کو پھر اس کی ماں سے ڈرتے بھی بہت ہیں۔ اسی لیے سب اس کے نام لکھ دیا۔ نیو کے لیے تو بس بہت تھوڑی سی رقم ہے جو بینک میں اس کے نام سے رکھی ہے۔“

”اچھا تمہاری باتیں بہت عجیب ہیں۔“

”لیکن ہیں سچی۔“

”تمہارا مطلب ہے کہ اب ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔“

”ایسا ہی سمجھو۔ ان کی بیگم کے بھائی تو پوری پوری نظر رکھتے ہیں۔ ذرا بھی یہ احساس ہو جائے کہ یہ رقم فضول میں اڑا رہے ہیں فٹ سر پر پہنچ جاتے ہیں۔“

”مجھ سے احمد نے ذکر نہیں کیا کبھی۔“

”کیسے بتاتے کیا بتاتے کہ میں اپنی بیگم کے بھائیوں سے ڈرتا ہوں اور بتا ہے وہ لوگ ہیں بھی بڑے اجڑ اور ظالم، میں نے انکل سے کہا بھی تھا۔ اب اگر شادی کر ہی لی ہے تو بیگم کو چھپا کر تو رہیں اگر انہیں پتا چل گیا تو قتل کر ڈالیں گے۔“

”ساری گفتگو میں اب جو رنگ چھاؤ پہلے نہیں تھا۔ واجدہ کے چہرے پر واضح گھبراہٹ تھی۔“

”ہاں۔ احمد کو مجھے یہ بات بتا دینی چاہیے تھی۔“

”آپ کہتی ہیں آپ دونوں کی محبت کی شادی ہے۔ اور احمد صاحب نے میری یہ بات سن کر کہا تھا۔ خس کم جہاں پاک اور یہ بھی بتایا کن کا بیٹا چند روز میں ادھر کا چکر لگائے گا۔“

”تم نے بہت اچھا کیا کہ مجھے بتا دیا۔ میں اس کی آمد سے قبل یہاں سے چلی جاؤں گی۔“

”کیا فائدہ۔ مجھے تو لگتا ہے احمد انکل خود ہی اسے تمہارے بارے میں بتاؤ بنا چاہ رہے ہیں۔“

”نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتا۔“ واجدہ کو یقین تھا۔

”آپ کو پتا نہیں ہے وہ لوگ کتنے خطرناک ہیں۔ خود کو بچانے کے لیے انکل ضرور ساری بات تمہارے

ال میں گئے۔“

”اچھا تو تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو؟“

”کل ہے وقت سے پہلے انفارم کر رہا ہوں۔ ابھی کی پوچھ رہی ہو میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔“

”ہاں۔ وہ تو ٹھیک ہے مگر اس کے علاوہ کیا کر سکتے ہیں تمہیں امریکہ لے جاسکتا ہوں۔“

”امریکہ! واجدہ کی آنکھوں میں چمک اٹرائی۔“

”بالکل۔ میرا بھائی وہاں پر ٹھہرا لگا کر میونسپل کراؤنٹ اشیاء فروخت نہیں کرتا۔ اچھا خاصا بزنس میں ہے اور بہت جائیداد بنا رکھی ہے۔ اس نے

”اوہ! وہ بس اسی قدر کہہ سکی۔“

”حیان پہلے احمد انکل سے ملا انہیں اپنے جھوٹ کے بارے میں بتایا۔ وہ بولے۔“

”بھلا ان باتوں سے کیا ہو گا۔ کیا وہ ایسی پاگل ہے کہ سب کچھ سمجھ لے گی۔“

”میں نے سوچ سمجھ کر بیان بنا کر تو کچھ نہیں کہا۔ اس رات کو دعا کرتا رہا تھا صبح جو نئی وہ سامنے آئی، وہ سب سمجھ ہی بولے گیا اور مجھے لگا۔ میرا یہ سب کتنا راز کھیں نہیں گیا۔ وہ سچ سمجھ بیٹھی ہے اور آپ سے تصدیق ضرور چاہے گی۔ آپ انکار مت کیجئے گا، بلکہ اپنے سرسراں کا مزید خوفناک نقشہ کھینچ دیجئے گا۔ ضرورت پڑنے پر میں خونخوار سالے بھی کہیں سے مل لاؤں گا۔“

”اور جب وہ نیو کے سامنے تھا تو کہہ رہا تھا۔“

”ساری خواتین اس قدر خوش فہم کیوں ہوتی ہیں؟“

”ساری تو نہیں۔“ وہ جھٹ سے بولی۔

”کیوں تمہیں یہ خوش فہمی نہیں کہ میں تمہاری محبت میں یہاں آتا ہوں اور انکل سے ہمدردی صرف ساری وجہ سے جتا ہوں۔“

”نہیں تمہارا مطلب ہے واجدہ کے گروپ کا ایک کارندہ۔“

”واجدہ کا گروپ۔“ وہ سمجھی نہیں اور حیان کو بھی یاد آیا وہ تو واجدہ کے بارے میں بس اتنی ہی جانتی ہے کہ وہ آوارہ سی فضول زبان کی عورت ہے۔

حیان نے کچھ دیر سوالیہ انداز میں اسے دیکھا اور بولا۔

”اگر واقعی تمہارا یہی خیال ہے تو سو فیصد درست ہے۔ یہ تمہاری چاہت ہی تو ہے جو مجھے کشاکش کشاں ادھر کھینچے۔“

”بس بات مت کرو مجھ سے۔“ وہ خفا خفا اٹھ کھڑی ہوئی۔

حیان نے قہقہہ لگایا اور بولا۔

”ہائے معصوم لڑکی۔“ نیو نے سن تو لیا مگر پلٹ کر نہیں دیکھا۔

اس رات احمد اور واجدہ میں شدید جھڑپ ہوئی تھی۔ اس کی اطلاع فون پر نیو نے دی اور یہ بھی کہا۔

”وجد واجدہ کی بے جا فرمائشیں ہیں۔ وہ ڈائمنڈ کا سیٹ فوراً لینا چاہ رہی ہے جب کہ پاپا اسے ایک پیسہ بھی دینے کو تیار نہیں ہیں۔“

”ہائے تو کیا بے چاری آرزوؤں کو حسرتوں میں بدلتے دیکھتی رہے گی اور ایک روز مرجائے گی۔“

”نہیں۔ جہاں تم جیسے ہمدرد موجود ہوں۔ وہاں بھلا وہ مر سکتی ہے۔“

”یہ بات اتنی جل کر کیوں کہہ رہی ہو تعریف کی ہے تو ذرا الجھ بھی بیٹھنا ناو۔“

”میں تو صرف اس لیے فون کر رہی ہوں کہ یہ پاپا کی ہدایت ہے تمہیں ہر بات سے باخبر رکھا جائے۔“

”چلیے کسی کے کہنے پر ہی سہی مگر آپ زحمت تو کرتی ہیں نا بہت شکریہ۔“

”حیان! ویسے کبھی کبھی تم مجھے بڑے فراڈ لگتے ہو۔“

”تمہارا مطلب ہے واجدہ کے گروپ کا ایک کارندہ۔“

”واجدہ کا گروپ۔“ وہ سمجھی نہیں اور حیان کو بھی یاد آیا وہ تو واجدہ کے بارے میں بس اتنی ہی جانتی ہے کہ وہ آوارہ سی فضول زبان کی عورت ہے۔

”داوی اور آئی کا کیا حال ہے؟“
 ”بڑی جلدی خیال آیا۔“
 ”فلٹر کرنے کی ضرورت نہیں ابھی دو روز پہلے میری اور سامہ کی بات ہوئی ہے۔“
 ”اچھا تو اس وقت کیا حال احوال پوچھنا یا نہیں رہا تھا۔“
 ”تم سے تو بات کرنا فضول ہے۔“ اس نے ریسیور بند کر دیا۔

اگلے روز واجدہ کا موڈ خاصا آف تھا اس نے احمد کے لیے خاصے غلط الفاظ استعمال کرنے کے بعد بتایا۔
 ”اب یہ بڑھا مجھ پر ایک پیسہ خرچنے کا بھی روادار نہیں ہے۔“
 ”کمال سے خرچے بے چارہ۔ بتایا تو ہے بیٹے اور بیٹے کے ماموں سے ڈرتا ہے۔“
 ”آخر پہلے بھی تو خرچتا تھا۔“

”وہ کچھ پیسے ان کے پاس تھے اب کل بتا رہے تھے۔ بیماری پر بھی بہت خرچ آگیا ہے۔“
 چلک۔ سپر اسٹور تو ہے بتایا تو تھا۔ حساب رکھتے ہیں وہ لوگ۔ ویسے میرا مشورہ ہے انکل کو چھوڑ کر ان کے کسی سالے سے شناسائی پیدا کر لو۔ فائدے میں رہو گی۔“ آنکھ مار کر تجویز پیش کی۔

”پورے غصیت ہو تم کیا ایسا سمجھ رکھا ہے مجھے۔“
 بنا کسی ناراضی کے وہ کہہ رہی تھی۔
 ”ارے صرف ایسا میں تو نہیں ایسا ویسا سمجھتا ہوں۔ غور کرنا تجویز بری نہیں بس یہ ہے کہ وہ تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنے محل میں قید کر لیں گے بھاگنے کی کوشش کرو گی تو گولی مار دیں گے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔“

”نہیں! میرا بھی مرے کا کوئی ارادہ نہیں اور نہ کر کے جو دولت دی جائے اس پر تو میں سو بار لعنت بھیجتی ہوں۔“
 ”تو واقعی داوی بڑی محنت ہے۔“ حیان نے اثبات

میں سر ہلایا۔

”میں اس بڑھے سے سخت بور ہو گئی ہوں۔“
 ”پھر کیا مجھ پر نظر کرم کرنے کا ارادہ ہے؟“ کچھ ڈر کر پوچھا۔

”تم کو تو میں ابھی تک سمجھ ہی نہیں سکی۔ دیکھنے میں معصوم، شمع مزاج، بھولے بھالے نوجوان دکھائی دیتے ہو مگر اب مجھے لگتا ہے جتنوں کے پورے ہو۔“
 ”درست۔ سو فیصد درست۔“ وہ صوفے پر نیم دراز مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

”ذلیل، چلوٹا، کسی روز اس گھر سے باہر نکلیں۔“
 ”لاٹک ڈرائیو پر چلیں۔“ وہ بھی ایک دم سے اس کے قریب آکر دھپ سے بیٹھ گئی۔
 ”بائے میرا دل!“ حیان اچھل کر سیدھا ہوا اور پھر بولا ”نیکم جان! خیال سے میرا دل اور صوفہ دونوں غوط کھا سکتے تھے جہاں تک لاٹک ڈرائیو کی بات ہے اس کے لیے ٹائم چاہیے آج کل تو میں بڑا مصروف ہوں۔“

”کیا مصروفیت ہے تمہاری؟“
 ”بھائی کہہ رہا ہے۔ جلدی امریکہ پہنچو بس اسی کی تیاری ہے مگر قسم سے تمہارے گول مٹول چرے کی“
 ”میرا اب جانے کو دل نہیں چاہتا۔“

”خیر۔ میرا چہرہ ایسا بھی گول مٹول نہیں ہے۔“
 ”اچھا اچھا۔ وہ تو میں نے اس لیے کہہ دیا کہ گول مٹول چرے ہمیشہ سے میری کمزوری رہے ہیں۔“
 اب کے واجدہ نے اس کے بال ہاتھوں میں لے لیے اور بولی۔ ”ذلیل! کہنے! میں راتوں کو سو نہیں سکتی بار بار تیرا خیال آتا ہے۔“ سچ کہتی ہوں۔ چھوڑوں گی نہیں۔ بے وفائی کی تو جان لے لوں گی۔“

اسی وقت نیو اوہری چلی آئی، سمن قابل اعتراض تھا دھک سے رہ گئی۔ واجدہ اور حیان کی اس حد تک بے تکلفی کے بارے میں تو سوچا بھی نہیں تھا۔
 ”اوہ! یہ کیا تماشاکار کھا ہے ہمارے گھر میں؟“ وہ اتنی زور سے چلائی کہ کھانسی آگئی۔

واجدہ نے حیان کے بال چھوڑ دیے۔ سیدھی ہو کر

اس کی جانب مڑی اور بولی۔

”گھر میرا ہے، میں جو جی چاہے کروں، تم کون ہوتی ہو اعتراض کرنے والی۔“

”محترم خاتون! گھر آپ کا ہے یا ان کا۔ مجھے اس سے مطلب نہیں، مگر یہ بال میرے ذاتی ہیں۔ آپ کو ان پر حملہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ آئندہ اگر ایسا ہو تو میں شور مچا کر نیو کو بلا لوں گا۔ یہ تو میری نیک نیتی اور سچائی ہے کہ اس مرتبہ اللہ نے نیو کو خود میری مدد کے لیے بھیج دیا ورنہ میرا کیا بنتا۔“

واجدہ کے دل میں چور تھا۔ کتنی جھکتی نیو کو خواہ مخواہ میں دھمکیاں دیتی چلی گئی۔

”شاہاش دیر بنو! آج تو تم نے دل خوش کر دیا۔“

”حیان نے داوی۔“
 ”جب کرو مجھے تو دیر بننے پر شاہاشی دے رہے ہو اور خود کیا کر رہے تھے۔“ وہ سخت خفا تھی۔

”قسم سے، میں بس اسے ایک جھانپڑا سید کرنے آیا تھا کہ تم چلی آئیں۔“

”ہناؤ مت۔“ وہ چھپتی ہوئی نظروں سے اسے دھمکتی سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

حیان نے انکل کو وہ داکھانے سے منع کر دیا تھا، جو واجدہ انہیں دیتی تھی ایسا اس نے ایک شک کی بنا پر کیا تھا۔ بعد میں تصدیق بھی کروائی، وہ احمد کو سلو پوائزن سے رہی تھی۔ اور انکل نے یہ بھی بتایا، جب سے حیان نے اس کے سامنے بیٹے اور خونخوار سالوں کا ذکر کیا تھا تب سے واجدہ کی دلچسپی دوا کھلانے میں ختم ہو گئی تھی۔ اب وہ زیادہ سے زیادہ سمیٹ لینے کے چکر میں تھی۔ اسی لیے بڑی بڑی فرمائشیں کرنے لگی تھی۔

”سوچ رہا ہوں، طلاق دے دوں۔ ایسا کرنے میں ایک بڑی رقم تو اسے دینا ہوگی۔ مگر ساتھ میں یہ بھی دیتا ہوں کہ ایسا نہ ہو ابھی کچھ تصاویر، کوئی فلم ان لوگوں کے پاس موجود ہو اور وہ پھر سے بلیک میلنگ پر اتر آئیں۔“

”انکل! جو ڈر گیا وہ مر گیا۔ ویسے بھی اب واجدہ کو پتا ہے آپ کمزور، شریف، دولت مند نہیں ہیں۔ آپ کی پشت پر لڑنے مرنے والے سالے موجود ہیں۔ اور وہ سراپہ کہ سب سے زیادہ خطرہ یہی ہے ناکہ آپ کی بری شہرت آپ کی بیٹی کی زندگی کو متاثر کرے گی۔ اب اس بات سے کیا ڈرنا۔ بیٹی کی زندگی بھلا کیسے متاثر ہو سکتی ہے۔ جب کہ میں سب کچھ جان اور سمجھ چکا ہوں۔“ کہنے کے ساتھ ہی زبان دانتوں تلے دبائی بس روانی میں خیال ہی نہ رہا تھا کہ سامنے لڑکی کا باپ موجود ہے۔

ڈرتے ڈرتے ان کے چہرے کی جانب دیکھا اور اس وقت جو مسکراہٹ ان کے چہرے پر کھیل رہی تھی وہ اتنی پیاری لگی کہ بے اختیار ہلکا میں لے ڈالیں۔

”حیان بیٹا! تم تو میرے لیے رحمت کافرشتہ بن کر آئے ہو۔ اب مجھے کوئی فکر کوئی غم نہیں ہے۔“

”اب تو مجھے بھی کوئی غم نہیں ہے۔“ وہ کہہ نہیں سکا۔ اس روز جلد ہی اجازت لے کر گھر آگیا۔

شام کو سبحان کا فون آگیا، اتفاق سے تینوں خواتین گھر پر موجود نہیں تھیں۔ اس نے سبحان کو انکل احمد کے ساتھ بیٹھنے والے واقعے اور پھر نیو والی خوش خبری کے بارے میں بتایا اس نے مبارک باد دی۔

”آخر کار تم جیت گئے اور انکل احمد کے بارے میں جان کر افسوس ہوا، مگر صرف افسوس سے کیا ہوگا۔ ہمیں واقعی تمہاری ہونے والی سسرالی کو ہریشانی اور بدنامی سے بچانا چاہیے۔ ایسا کرو۔ تم میرے دوست کامران سے ملو اس کے بڑے بھائی کے ہاتھ کافی لمبے ہیں۔“

”تمہارا مطلب ہے۔ وہ گھر بیٹھے بیٹھے واجدہ بیگم کی جی (گردن) موڑ دے گا اور کسی کو شک بھی نہ ہوگا۔ پولیس کے ہاتھ پر یہ کیس بد نما و حقیقت بن کر ہمیشہ چمکے گی۔“

”نہیں گھامڑا، وہ کچھ نہ کچھ حل نکال ہی دے گا۔“
 ”ٹھیک بالکل ٹھیک۔ یہ کامران ہی تو ہے جس نے تمہیں امریکہ پہنچایا اور میرا مستقبل نہ کایا۔ میرا ارادہ

”تکڑی نہ کرو“ میرے دوستوں میں پولیس آفیسر بھی شامل ہیں۔ کیس یوں حل کریں گے کہ احمد صاحب کا نام کہیں نہیں آئے گا۔ ساری بات سن کر انہوں نے تسلی دی تھی۔

تیسرے روز اسے اطلاع ملی کہ واجدہ بیگم کسی خاتون کو زخمی کرنے کے الزام میں حوالات میں بند ہیں۔ جو خاتون فون پر اس سے مخاطب تھی وہ اس کے کیسے قطعی اجنبی تھی۔ پوچھنے پر پتا چلا واجدہ کی خالہ زاد بہن ہیں۔

”آپ کو میرا نمبر کس نے دیا؟“
”واجدہ نے۔ وہ کہتی ہے۔ آپ ہی ہیں جو اس کی مدد کر سکتے ہیں۔“

”کیا ان کے بھائی وغیرہ کوئی نہیں ہیں؟“
”ہیں“ انہیں بھی پولیس والوں نے تھانے میں بٹھا رکھا ہے۔ پتا نہیں مسئلہ کیا ہے جو اتنے بڑے افسر دلچسپی لے رہے ہیں ورنہ چھوٹے موٹے تو ہم پر ہاتھ نہیں ڈالتے۔“ باتوں کے دوران روانی میں اس کے منہ سے نکل گیا۔

”وہی ویڈیو تصاویر وغیرہ کا مسئلہ ہو گا۔ کسی بڑے آدمی کو ستایا ہو گا آپ لوگوں نے۔“
”تم کیسے جانتے ہو؟“ وہ بری طرح چوکی تھی۔
”لو بھلا میں کیا نہیں جانتا۔“ وہ ہنس پڑا۔
”اس کا مطلب ہے۔ واجدہ تم پر بہت زیادہ اعتماد کرتی ہے۔“

”اچھا میں ذرا مصروف ہوں۔“
”مگر میرا مسئلہ تو فوج میں ہے۔ واجدہ سے ملو گے کب؟“

”میں واقعی واجدہ کی مدد کر سکتا ہوں مگر کروں گا نہیں۔“ اس نے ریمیور کریڈل پر ڈال دیا۔

جب وہ انکل احمد کے پاس جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ ایک لڑکے کی پٹی اٹھ گئی۔

”بھائی! زرا اب سو اتولا۔“
”کیا سو؟“ انکی کل ہی تو نمک مرچ ہلادی کے لگا دیا ہوں۔“

”یہ وہ والا نہیں ہے۔“ اس نے مسکرا کر لست ہاتھ پر رکھ دی۔

”لوں ہوں ہوں۔“ وہ اس کمر کا دن لیٹر والا پیک۔ ایک اچھا سا ٹیک۔ بیٹنر اور سینٹر اسکو اسٹیشن کی بوتل۔ ایک لیٹر کوک۔ یہ اسکو اسٹیشن یا کوک میں سے ایک چیز منگوا لو اور یہ لیٹر میٹر چھوڑو“ اتنا کیسے کھاؤ گی۔“

”میں انکی تھوڑا کھا رہی ہوں۔ سیلیوں کو گھر پر انوائٹ کیا ہے۔ آپ کو تو بتا نہیں کیا مصروفیات ہیں گھر میں نکلتے ہی نہیں۔ دیکھیے تو میں نے ڈرائنگ روم بالکل پیچھنچ کر دیا ہے۔“

”سیلیوں کی دعوت کس خوشی میں؟“
”آج تک بھی بلایا تھا کسی کو گھر پر۔ اب حالات اجازت دیتے ہیں اس لیے بلارہی ہوں۔“
”چلو ٹھیک ہے لا دیتا ہوں مگر میرا حصہ ضرور رکھنا۔“

جب وہ انکل کے ہاں پہنچا۔ لگتا تھا وہ اسی کے منتظر بیٹھے ہیں۔ نیو بھی موجود تھی اسے دیکھتے ہی بولے۔
”صبح سے میں حیران تھا واجدہ آخر بتائے بنا کہاں رہ گئی۔ مجھ سے تو قریبی مارکیٹ تک جانے کا کہہ کر گئی تھی۔ اب کچھ دیر پہلے ایک اے ایس آئی آکر اطلاع دے کر گیا ہے۔ اسے پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ سوچ رہا ہوں ٹکس قدر بدنامی ہو گی میری۔ پتا نہیں کس گناہ کی سزا مل رہی ہے۔“

”جی ہاں“ اتنے سارے گناہوں میں سے پتا نہیں کون سا ہے۔“ وہ نیو کے برابر والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بڑبڑایا تھا۔ وہ بس پسلو بدل کر رہ گئی۔

”انٹھو نیو! ذرا مجھے اچھا سا پانی ہی بنا دو۔“
”ہاں بیٹا! جاؤ کچھ لے کر آؤ۔“

دونوں نے اسے منظر سے ہٹا دیا پھر احمد بولے۔
”میں نے وکیل سے بات کر لی ہے۔ طلاق نامہ تیار ہے مگر درتا ہوں اس کے بعد وہ انتقامی کارروائی کے طور پر کچھ کرنے ڈالے۔“

”ارے کچھ نہیں ہوتا انکل! جب ان لوگوں کو پتا

کا کہ آپ سے کچھ نہیں ملنے والا تو خود ہی کسی نے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔ بھلا سوچیے آپ کو بدنام کر کے انہیں کیا حاصل ہو گا۔ اتنا ہی ہی بڑھے گی جو خود ان کے لیے نقصان دہ ہے۔“

”میں واقعی تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔“
”انکل! میری امی اور دادی آپ کے گھر آنا چاہتی ہیں۔ وہ جن بوجھ کر جھجک کر بولا کہ انکل کو یہ پچھنے کی زحمت نہ کرنی پڑے کہ وہ کیوں آنا چاہتی ہیں۔“

”ضرور آئیں بیٹا! یہ ان کا اپنا گھر ہے۔ تمہاری دادی اماں تو اکثر مجھے فون کرتی رہتی ہیں۔ بہت ٹیک دے گئیں ہیں۔ میں نے ان سے دعا کی ہے کہ وہ بھی آئیں۔“

”یاس بہت لگی ہے۔ دیکھوں پانی کہاں رہ گیا۔“
”وہ اندھ کرپن میں آگیا۔ اندازے کے عین مطابق نیو ہاں موجود پرائٹ ہاتھ میں لیے کھڑی تھی۔“
”منہ میٹھا کرو! تو وہ بات بتاؤں جو تمہاری سب سے بڑی آرزو ہے۔“

”نہیں کیا پتا“ میری سب سے بڑی آرزو کیا ہے۔“

”ارے لو بھلا کیا مجھے ہی خبر نہیں کہ مجھ سے ہی آپ کے خواب آباد ہیں۔“

”نوش نہیں۔“ وہ ذرا سا رخ موڑ کر بولی اور پھر ہنس پڑی۔

”دیکھا لڑکی! میرا اندازہ کتنا درست تھا۔“ بوتل اس کے ہاتھ سے لے کر پینے لگا اور نیو نے دھڑکتے دل کے ساتھ کن اکھیوں سے اسے دیکھا۔

”کتنا اعتماد ہے اسے خود پر اور غلط بھی تو نہیں اور لوگ ہی شان سے جیتے ہیں اور ہماری کے لیے فخر امٹ ہوا کرتے ہیں۔ سایہ بننے والے سایہ دینے والے خوش رہنے والے خوشی بانٹنے والے یا اعتماد

الوداد شاندار لوگ۔